محمد علی باکسر

محمد قیوم اعتصامی

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

انتساب

جناب عارف نظامی کے نام

جن کی دوستانہ رہنمائی کے بغیر یہ کتاب وجود میں نہ آتی

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

عرض ناشر۔۔۔

محمد علی کا تعارف باکسر، اتھلیٹ، اور عالمی ہیوی باکسنگ چمپئین کے طور پر ایک عشرہ سے موجود چلا آ رہا ہے۔ تاریخ میں کوئی چمپئین اتنے لمبے عرصے تک اپنے اعزاز کو برقرار نہیں رکھ سکا، جسے محمد علی نے برقرار رکھا۔

محمد علی کی شخصیت و فن پر اردو زبان میں یہ پہلی جامع کتاب لکھی گئی ہے۔ جب کہ مکتبہ ندائے ملت کی طرف سے آپ کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ ہم نے موضوع کے انتخاب میں جس تنوع کو ملحوظ رکھا ہے۔ مکتبہ ندائے ملت کے سلسلہ مطبوعات کا یہ نقش اول انشاءاللہ علمی حلقوں اور شائقین فن سے تحسین حاصل کر کے رہے گا۔

ناشر

میں سب سے آگے ہوں

سب کچھ میرے پیچھے ہے،،

دنیا میں بے شمار کھیلیں ہیں۔اور بے شمار کھلاڑی ہیں۔میچ شروع ہونے سے پہلے کسی کھلاڑی کا نام اور مختصراً اس کھیل میں اس کا مقام بتایا جاتا ہے۔

مگر باکسنگ ایک ایسا کھیل ہے، کہ ایک باکسر کے بارے میں پورے جزئیات سے تماشائیوں کو آگاہ کیا جاتا ہے۔

سب سے پہلے ایک باکسر کی عمر بتائی جاتی ہے۔قد کی لمبائی بتائی جاتی ہے۔ وزن بتایا جاتا ہے۔اور اس کے انداز مبارزت پر معلومات مہیا کی جاتی ہیں۔جیتنے اور ہارنے والے مقابلوں کی تفصیلات بھی بتائی جاتی ہیں۔

محمد علی کا کہنا ہے کہ یہ ساری Vital Statistics (پیمائش حیات) بکواس ہے۔اصل قوت مکے کی ضرب ہے اگر کسی میں Punching Power نہیں ہے تو خواہ وہ اتھلیٹیکس قواعد کے مطابق کتنا ہی متوازن وزن کا حامل کیوں نہ ہو، وہ باکسنگ رنگ میں تنک یکا سہرا نہیں لے سکتا۔

محمد علی آگے بڑھنے کے لیے کبھی پیچھے نہیں ہٹتا۔

جب وہ پیچھے ہٹتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ آگے آنا چاہتا ہے۔ کیونکہ اس میں کوئی شرم نہیں ہے۔

جو صرف پیچھے ہٹنے میں ہوتی ہے۔

اسے بھی اور اس کا مقابلہ دیکھنے والے شائقین کو بھی۔

جناب محمد علی کا جب کسی سے مقابلہ ہونے والا ہوتا ہے۔دنیا ابھر کے لوگ اس پر نظریں جما دیتے ہیں۔محمد علی کے اردگرد دو رونز دیک پریس رپورٹروں کا ہجوم سا ہو جاتا ہے۔جیسا کہ وہ خود کئی بار اس ہجوم شائقین کی وجہ بیان کر چکے ہیں۔

دنیا بھر کے لوگوں کو باکسنگ کے علاوہ ان کی ذات میں دل چسپی ہے۔ ان کے منہ سے نکلنے والی ہر بات سے دل چسپی ہے۔ کیونکہ وہ ایک باکسر ہی نہیں ہیں۔

ورلڈ ہیوی ویٹ چمپئین ہیں۔

وہ دنیا کے پہلے سیاہ فام چمپئین ہیں۔

جنہیں عالم گیر شہرت حاصل ہے۔

وہ مسلمان ہیں اور مبلغ اسلام ہیں۔

وہ شاعر بھی ہیں۔

وہ فلسفیوں کی طرح گفتگو کرتے ہیں۔

وہ جب کسی سے مقابلہ کرتے ہیں تو دنیا کو چیخ، چیخ کر بتاتے ہیں کہ انہوں نے اپنے حریف کو پچھاڑنے کے لیے ایک انداز مدافعت دریافت کیا ہے۔ جب ملائشیا میں ان کا برطانوی یورپی ہیوی ویٹ چمپئین جوبگر سے مقابلہ ہونے والا تھا۔ تب انہوں نے کہا تھا، کہ

میں نے جوبگر کو ہرانے کا ایک طریقہ دریافت کیا ہے۔ میں نے اس طریقے کا نام روسی ٹینک رکھا ہے جو اسے روئی کی طرح دھنک کر رکھ دے گا۔

پھر جب مینیلا میں ان کا مقابلہ جوفریزر سے ہوا، تب انہوں نے کہا تھا، کہ جو فریزر اتنا بدصورت ہے کہ اسے اپنے چہرے کا عطیہ عالمی ادارہ بہبودی جنگلی جانوروں کے فنڈ میں دے دینا چاہیئے۔

یہ بات بری دلچسپ ہے کہ جب محمد علی سے کسی کا مقابلہ ہونے والا نہیں ہوتا۔ تب وہ کسی نہ کسی موضوع پر اظہار خیال کرتے رہتے ہیں۔ گزشتہ برس انہوں نیز ندگی کے بعض سنگین و بے رحم حقائق کے بارے میں اظہار خیال کیا تھا۔

حریف سے مقابلہ:۔

مجھے لڑنے سے شدید نفرت ہے، اور میں جیت سے بے پناہ محبت رکھتا ہوں۔

مذہب

میں اللہ تعالیٰ کی قدرتوں پر یقین رکھتا ہوں۔ وہ زلزلے لاتا ہے اور انہیں روکتا ہے۔ تباہ کن اندھیاں اس کی قدرت کا مظہر ہیں۔ وہ بارش برساتا ہے۔ غضب کی برف باری کرتا ہے۔ وہ ذات ہر شے کی علت و حدوث وقوع اور زوال و کمال پر قدرت رکھتی ہے۔ میں اس کا شکر ادا کرتا ہوں۔ کہ اس نے مجھے اپنے اشارات وعلامات کو سمجھنے اور جانچنے کی بصیرت عطا فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہیں۔ اور میں ان کے ساتھ ہوں۔

سیاسیات

سیاسیات سفید ہے، سفید فام ہے، گوری چمڑی ہے، میں کسی کو ووٹ نہیں دوں گا

امارت

میں جب مروں گا، تو میں پہلا باکسر ہوں گا، جو کروڑ پتی ہوگا۔ میں تب تک نہیں مروں گا، جب تک کہ میں اس حقیقت کو ثابت نہ کر دوں گا۔

مستقبل

میں دنیائے باکسنگ کو خیر باد کہنے کا ڈر دور کرنا چاہتا ہوں، کہ باکسنگ کو میری اتنی ضرورت ہے، جتنی کہ مجھے باکسنگ کی ہے۔

کامیابی و کامرانی

میں آپ کو اپنی کامیابی کے سلسلے میں ایک راز کی بات گوش گزار کروں گا۔ جو کوئی بھی میرے قریب آتا ہے، مجھ سے آنکھیں چار کرتا ہے۔ اپنا اعتماد کھو بیٹھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی میرے قریب آتا ہے۔ تو معاً مجھ سے آنکھیں چار نہیں کر سکتا۔ لیکن جب وہ کر لیتا ہے۔ تو وہ میری آنکھوں کی گہرائی میں جھانکتا ہے، پھر وہ جلد ہی جان جاتا ہے۔ کیونکہ اسے اپنی بغلیں جھانکنا پڑتی ہیں۔ اور وہ یہ

بھی جان جاتا ہے، کہ اس میں اور مجھ میں ایک شے مختلف ہے۔ جو ایک دوسرے کو جدا کرتی ہے۔

مرد و زن

میں سب کا پسندیدہ ہوں۔ جس شخصیت کے بارے میں پسندیدگی کا اظہار کیا جائے۔ اس سے لوگ خواہ مخواہ حسد کرنے لگتے ہیں۔

خود اپنی نظر میں

کیا میں انسانی صلاحیتوں پر تحسین و آفرینیش کیے جانے والے محاسن نہیں رکھتا۔ کیا میری باتوں میں گلوں کی خوشبو نہیں ہے، میرے بارے میں کوئی مضحکہ خیز رائے نہیں دی جاتی۔ میری صلاحیت و موزونیت کو پرکھ کر رائے دی جاتی ہے۔ کیونکہ میں نقادوں کو اپنے بارے میں اچھی رائے رکھنے پر مجبور کرتا ہوں۔ میں صرف ایک عظیم باکسر ہی نہیں ہوں۔ میں تخلیقی صلاحیتیں رکھتا ہوں، اور رہنمائی کرنے والا انسان ہوں۔ میں عظیم تر ہوں۔ میں اپنے وجود مملکت کا بادشاہ ہوں۔

شخصی توازن

شخصی توازن کو برقرار رکھنا ایک مشکل کام ہے۔ لیکن اگر کوئی مجھ جیسا توازن برقرار رکھتا ہے۔ تو پھر اس کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے۔

برق رفتاری

میں اپنی خواب گاہ میں داخل ہوتا ہوں، سوئچ بٹن پر ہاتھ رکھتا ہوں۔ کمرے میں تاریکی پھیلنے سے پہلے ہی میں بستر پر گہری نیند میں سوتا ہوں۔ میں سست روی کے کسی عمل پر یقین نہیں رکھتا۔

غذا، اور پرہیز

خوراک کے معاملے میں ایک باکسر بہت زیادہ احتیاط برتنے کے قابل ہوتا

ہے۔ میں سور کا گوشت نہیں کھاتا۔ جو لوگ اسے کھاتے ہیں میرا ذہن ان کا ساتھ نہیں دیتا۔

اگر پرہیزی کھانا کھاتا ہوں تو میں بہتر ضرب مار سکتا ہوں۔ بہتر طور پر کھیل سکتا ہوں، لوگوں کو متحیر کر سکتا ہوں۔ کیونکہ اس کا طریقہ میں جانتا ہوں۔ میں حریف کی طرف بھاگ کر آگے نہیں بڑھتا۔ میں جب ایک ضرب رسید کرتا ہوں۔ تب تک دوسری نہیں کرتا۔ جب تک میں پہلی کا ردعمل نہیں دیکھ لیتا۔

اکھاڑہ (رنگ)

میں رنگ میں آتے ہی اتنا باہوش ہوتا ہوں، کہ ایک پتہ ہلنے کی آواز سنتا ہوں۔ میں اپنی کلائی کو لہراتا ہوں۔ میرے دستانے (Hand Guff) کی شعاع سے روشنی پیدا ہوتی ہے، اور سارا ماحول برق آسا ہو جاتا ہے۔ سو میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ میرے آگے دوا بھی بیمار ہو جاتی ہے۔

نسلی امتیاز

سفید فام آدمی شیطان کی نمائندگی کرتا ہے۔ مگر صرف امریکی سفید فام انگریزی بولنے والا سفید فام کسی دوسرے شیطان کی نمائندگی کرتا ہے۔

باکسنگ مقابلے

میرے سوا باکسنگ کچھ بھی نہیں، میرے بعد جو باکسنگ رہ جائے گی۔ اس سے کسی کو کوئی دلچسپی نہ ہوگی اور نہ رہے گی۔

اگر دو باکسر لڑیں گے تو وہ محض ایک دوسرے کو شکست دینے پر کار بند ہوں گے۔ ان کا کوئی خصوصی وصف لوگوں کے ذہن میں نہیں ہوگا۔

کچھ باکسر اپنے پیچھے بستر میں لڑائی چھوڑ جائیں گے۔ میں زندگی کے کسی فعل میں افراط و تفریط کو روا نہیں رکھتا۔ میں اپنی دیانت و فطانت کا ضیاع نہیں کرتا۔

میلان

جب میں باکسنگ کو ترک کردوں گا، میں اپنا وقت گھر میں رہ کر گزاروں گا، اپنے گھر کو سنواروں گا۔ اپنے لانوں کی گھاس تراشوں گا۔ اور امریکہ کے چہرے کو بدلنے کی کوشش کروں گا

کیونکہ میں اس کا ایک ہی چہرہ دیکھنا پسند کرتا ہوں۔

مغرب میں باکسنگ، آئس سکیٹنگ، کشتی دوڑ اور اس کی اننگ، چھلانگ لگانا، اور دوڑ (ریس اور لانگ جمپ) کو سپورٹس میں شمار کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے ابتدا میں یہ بات عرض کی تھی، کہ باکسنگ کی مقبولیت اور اس سے لوگوں کی دل چسپی کی ایک وجہ تو محمد علی کی ذات ہے۔ دوسری وجہ اس سے پیدا ہونے والی وہ خطیر آمدنی ہے۔ جس کا قبل ازیں سپورٹس کی تاریخ میں کوئی سراغ نہیں ملتا۔

آج کل تو یہ حالت ہوگئی ہے کہ جب بات سپورٹس تک آتی ہے تو اس کے ذکر سے لوگوں میں ولولہ اور جوش پیدا ہونے لگتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قدیم انسانی تاریخ میں بھی کھیلوں سے انسانوں کو غایت درجہ کی دل چسپی رہی ہے۔ اور اب تک کوئی انسانی فعل لوگوں میں اتنا مقبول نہیں رہا، جتنا کہ سپورٹس ہے۔ اتھلیٹکس اور یاٹنگ (کشتی دوڑ) سے انسان کا تعلق اتنا ہی پرانا ہے، جتنا کہ خود انسان ہے۔

سپورٹس میں دراصل انسان انفرادی حیثیت سے ایک ریکارڈ قائم کرتا ہے۔ خود انسان ہی کے لیے یہ بات گہری حیرت کا باعث بن جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات اجزا سے مل کر کل بنی ہے۔ مگر انسان اکائی کو ترجیح دیتا ہے۔

1963ء میں برطانیہ کے ایک فرد واحد نے 142 دن تک مسلسل کار چلانے کا ریکارڈ قائم کیا۔ اسے اب تک انسانی مہارت اور قوت برداشت کا بہت بڑا مظاہرہ خیال کیا جاتا ہے۔

سکیٹنگ میں بھی ایک انسان اپنی انفرادی مہارت سے ریکارڈ قائم کرتا ہے۔ سکیٹنگ میں انفرادی مہارت کا ایک مسلسل ریکارڈ ناروے کی ایک لڑکی آں جہانیہ سونجا ہینی نے قائم کیا تھا۔ اور اس نے سکیٹنگ کے مظاہرے سے 17 ملین پاؤنڈ کمائے تھے۔ اس نے پندرہ برس تک عالمی سکیٹنگ کا اعزاز برقرار رکھا تھا۔ وہ اولیمپکس کے عالمی مقابلوں میں تین بار سونے کا تمغہ جیت چکی ہے۔

اسی طرح کا ایک ریکارڈ امریکہ کی ایک آئس سکیٹنگ لڑکی جینٹ لین نے قائم کیا تھا۔ اس نے صرف ایک سال 74ء میں 325000 پونڈ کمائے تھے، اس نے اگلے تین برسوں میں ایک شو پر موٹر سے 652000 ڈالر معاوضہ لینے کا معاہدہ کیا تھا۔ جب کہ اس کی عمر صرف بائیس برس ہے۔

اسے 74ء تک دنیا میں انفرادی سطح پر سب سے زیادہ آمدنی رکھنے والی عورت سمجھا جاتا ہے۔

مردانہ سپورٹس مین شپ میں عالمی باکسنگ چیمپئین محمد علی کو سب سے زیادہ معاوضہ پانے والا فرد خیال کیا جاتا ہے۔ انہیں یقین ہے کہ وہ ایک سال میں ساڑھے گیارہ ملین پونڈ کمالیں گے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے اپنے آپ کو دنیا میں سب سے زیادہ معاوضہ پانے والا شخص ثابت کر دیا ہے۔

ہیوی ویٹ چمپئین محمد علی نے دوسرے مقابلوں کی طرح بلجئیم کے باکسر جین پیرے کوپ مین کے ساتھ مقابلہ میں کوئی پیش گوئی نہیں کی تھی۔ اور یہ عجب اتفاق ہے کہ کوپ مین نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ گیارویں راونڈ میں محمد علی کو شکست دے دے گا۔ عالمی ہیوی ویٹ چمپئین کا یہ مقابلہ امریکہ کے ملک پیورٹو ریکو کے شہر سان جوآن میں 20 فروری 1976 کو ہوا تھا۔

اس مقابلے میں شرکت کا معاوضہ محمد علی کو دس لاکھ ڈالر ملا جب کہ کوپ مین نے صرف ایک لاکھ ڈالر معاوضہ لیا تھا۔ اس نے اتنا تھوڑا معاوضہ قبول کرنا صرف اس

لئے منظور کیا تھا کہ

محمد علی کے ساتھ مقابلہ میں جو اسے عالم گیر شہرت مل جائے گی اس کا کوئی معاوضہ نہیں۔

کوپ مین کی عمر 27 سال ہے، اور وہ بلجیم کا ہیوی ویٹ چمپئین ہے۔ باکسنگ کے ماہرین نے خیال ظاہر کیا تھا کہ کوپ مین محمد علی کی ٹکر کا باکسر نہیں ہے، مگر اس کے باوجود یہ مقابلہ دنیا بھر کے لوگوں کی دل چسپی کا باعث بنا۔ محمد علی کے ٹرینی اینگلو ڈینڈی کا کہنا تھا کہ کوپ مین محمد علی کا ایک وار بھی نہ سہہ سکے گا۔

مگر ساری دنیا نے 20 فروری 1976ء کو سنا کہ پندرہ راؤنڈز کے مقابلہ میں محمد علی نے جین پیرے کوپ مین کو پانچویں راؤنڈ میں ایسا گرایا کہ وہ پھر اٹھ نہ سکا۔ اس طرح محمد علی نے مقابلہ کے بارے مین جو کچھ کہا تھا کہ وہ کوپ مین فائیٹ کے مقابلے میں کوئی اظہار خیال نہیں کریں گے۔ اس کا جواب رنگ میں دیں گے۔ واقعی رنگ میں کوپ مین کو اس کا بری طرح جواب مل چکا تھا۔

بلجیم کے چمپئین پیرے کوپ مین کے ساتھ محمد علی کا مقابلہ 21 فروری 76ء کو سان جوآن (پورٹو ریکو) میں ہوا تھا۔ مقابلہ پندرہ راؤنڈ کا تھا۔ پانچویں راؤنڈ میں محمد علی نے کوپ مین کو ناک آوٹ کر دیا، اس کا چہرہ لہولہان ہو گیا تھا۔ اور وہ محمد علی کے تابڑ توڑ حملوں سے نڈھال ہو کر گر پڑا تھا۔ بعد ازاں اسے سٹریچر پر ڈال کر لے جایا گیا تھا۔

محمد علی نے آج تک یہ پچاسواں مقابلہ جیتا ہے۔ تب سے اب تک محمد علی کے بارے میں

ہر ہفتے کوئی نہ کوئی خبر منظر عام پر آتی رہی ہے۔ محمد علی کوپ مین سے مقابلہ میں گیارہ لاکھ ڈالر کا معاوضہ ملا۔ جب کہ کوپ مین کو 75 ہزار ڈالر ملے تھے۔ کوپ مین اب تک جتنا معاوضہ لیتا رہا ہے یہ معاوضہ اس سے دس گنا زیادہ تھا۔

جمی ینگ فلا ڈلفیا کا رہنے والا ہے۔اس کا شمار باکسنگ میں چوتھے درے پر ہوتا ہے۔وہ اب تک بیس مقابلوں میں حصہ لے چکا ہے۔اسے چار مرتبہ شکست ہو چکی ہے دو مقابلے برابر رہے جب کہ وہ چودہ مقابلے جیت چکا ہے۔

اپریل ۷۶ء میں لینڈ اوور (میری لینڈ) میں محمد علی کا مقابلہ امریکی باکسر جمی ینگ سے ہوا تھا۔پندرہ راؤنڈ کے اس مقابلہ میں محمد علی نے اپنے حریف کو پوائنٹس پر شکست دے کر اپنا عالمی اعزاز برقرار رکھا مگر یہ مقابلہ محمد علی کی توقعات سے کہیں زیادہ سخت ثابت ہوا،محمد علی نے خود تسلیم کیا کہ انہیں مقابلہ کی تیاری کے لئے سخت مشق کرنی چاہیے تھی۔تین راؤنڈ تو جمی ینگ نے جیتے جب کہ محمد علی نے آٹھ راؤنڈ جیتے۔اس طرح مجموعی مقابلہ محمد علی نے پوائنٹس پر جیت کر دنیا کو ایک بار پھر باور کرادیا کہ وہ ناقابلِ تسخیر اور عظیم ہے۔

محمد علی نے اس مقابلہ سے قبل حسب معمول پیش گوئی نہیں کی تھی۔جب ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے بتایا کہ وہ اپنے کھیل میں لوگوں کے تجسس کو بڑھانا چاہتے تھے۔میرے رب کی رحمت میرے ساتھ ہے میرا خیال ہے نصرت خداوندی سے بڑھ کر کوئی مدد نہیں ہے۔میں خدا تعالیٰ کے لیے کام کرتا ہوں،غربت دور کرنے کے لیے اور اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لیے اپنے نام اور مقام سے فائدہ اٹھا رہا ہوں۔اس میں کوئی کلام نہیں کہ میں لوگوں کی مالی مدد کرتا رہتا ہوں مگر میں چاہتا ہوں کہ لوگ مجھے فرسٹ نیشنل سٹی بنک ہی نہ سمجھ بیٹھیں۔

میں نے امریکہ کے صدارتی انتخاب میں ووٹ دیا تو وہ صدر جیرالڈ فورڈ کو دونگا کیونکہ وہ دوبارہ مجھے وائٹ ہاؤس میں مدعو کر کے میری عزت افزائی کر چکے ہیں۔

یہ بات بڑی حیرت انگیز ہے کہ جمی ینگ کے مقابلہ میں امریکہ کے چوٹی کے سپورٹس رائٹر یہ فیصلہ دے چکے تھے کہ محمد علی یقینی طور پر ہار جائے گا۔یہی وجہ ہے کہ جب محمد علی کی جیت کا اعلان ریڈیو اور ٹیلی ویژن سٹیشنوں پر کیا گیا تو کروڑوں

تماشائیوں کو محمد علی کی جیت پر یقین نہیں آرہا تھا۔

۲۴ مئی ۱۹۷۶ء کو محمد علی کا میونخ ووفاقی جمہوریہ جرمنی، میں برطانوی باکسر کامن ویلتھ اور یورپی چیمپئن رچرڈ ڈون سے مقابلہ ہوا تھا۔ محمد علی نے پانچویں راؤنڈ میں رچرڈ ڈون کو ٹیکنیکل ناک آؤٹ کے ذریعے شکست دے کر اپنا عالمی اعزاز پھر بحال رکھا اور لوگوں کو باور کرایا کہ محمد علی عظیم تر ہے۔ رچرڈ ڈون کی حالت اتنی غیر معمولی ہوگئی تھی کہ اگر ریفری مقابلہ ختم کرانے کا اعلان نہ کرتا تو رچرڈ کا جنازہ ہی رنگ سے اٹھتا۔

محمد علی نے جیت کے بعد بتایا کہ رچرڈ ڈون چیمپئن شپ کے اعزاز کا مستحق ہے اسے ایک اور موقع دوں گا۔

رچرڈ ڈون نے کہا کہ میں بڑا مایوس ہوا ہوں میں ایک بار پھر میدان میں آؤں گا۔ عالمی نقادوں نے کہا کہ محمد علی نے پھر ثابت کر دیا ہے کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے۔ اور عظیم ترین باکسر ہے۔ رچرڈ ڈون سے مقابلہ سے قبل محمد علی نے پیش گوئی کی تھی کہ وہ اسے ناک آؤٹ کریں گے، سو وہ انہوں نے کر دیا۔ اور پیش گوئی پوری ہوئی۔

اس مقابلے کی قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ محمد علی نے ایک لاکھ ڈالر مالیت کے ٹکٹ اپنی جیب سے خرید کر ان امریکی فوجیوں میں تقسیم کر دیئے تھے جو نیٹو کے تحت جرمنی میں مقیم ہیں۔ انسانی ہمدردی کی یہ کوئی پہلی مثال نہیں ہے۔ محمد علی نے ایسی بے شمار مثالیں قائم کر رکھی ہیں۔

۲۵ جون ۷۶ء کو جاپانی پہلوان اور جوڈو فائٹر انٹونیو انوکی کے ساتھ مقابلہ اگرچہ نمائشی ہے مگر اس کی شہرت اس وجہ سے ہے کہ مقابلہ ننگے ہاتھوں سے ہوگا۔ اس کی غالب تعداد نشستوں کو جاپان کے بادشاہ نے بک کرا لیا ہے۔

محمد علی نے کہا ہے کہ ۷۶ء کے آخر میں باکسنگ سے ریٹائر ہو جائیں گے۔ مگر

ریٹائر ہونے سے پہلے وہ اپنے سابق حریفوں کن نارٹن اور جارج فورمین سے بھی مقابلہ کرنے کا اعلان کر چکے ہیں۔ یاد رہے کہ محمد علی اس سے پہلے بھی دومرتبہ ریٹائرمنٹ کا اعلان کر چکے ہیں مگر بعد میں انہوں نے اپنا ارادہ بدل دیا پہلی مرتبہ انہوں ۷۴ء میں باکسنگ سے ریٹائر ہونے کا اعلان کیا تھا۔ جب اُس وقت کے چیمپئن جارج فورمین سے کنساشا (زائرے) میں ان کا مقابلہ ہونے والا تھا لیکن فورمین کو ناک آؤٹ کرنے کے بعد انہوں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ پھر دوسری مرتبہ ۷۵ء میں منیلا میں جوفریزئر کے ساتھ مقابلے کے بعد انہوں نے باکسنگ سے اپنی ریٹائرمنٹ کا اعلان کیا تھا۔ مگر ایک بار پھر وہ اپنا عہد ایفا کرنے میں ناکام رہے مگر اس مرتبہ انہوں نے یقینی انداز میں یہ بات کہی ہے۔

موجودہ صدی کی عظیم شخصیت

مغرب کے ممالک اور لوگوں میں ہر عشرہ کسی نہ کسی قابل ذکر واقعہ اور شخصیت کے گرد گھومتا ہے اور اسے فنومنا کہتے ہیں۔ اگر چہ موجودہ عشرے کی نوعیت پہلے سے خاصی مختلف ہے۔ تاہم اب جو فنومنا یورپ، امریکہ بلکہ ایشیا ءو افریقہ میں ہے وہ دنیا کے عظیم چیمپئن باکسر جناب محمد علی کے بارے میں انکی شخصیت اور فن پر کئی کتابیں ہزاروں، لاکھوں مضامین اور فیچر لکھے جا چکے ہیں اور لکھے جا رہے ہیں مگر غیر معمولی شخصیت کے حامل محمد علی کے متعلق امریکہ اور یورپی ممالک میں جو بے پایاں دل چسپی پائی جا رہی ہے۔ اس کی وجہ محمد علی کی عجیب و غریب شخصیت اور محیر العقول کامیابیاں جو اسے باکسنگ رنگ میں حاصل ہوئی ہیں لیکن اب تک اس نے اپنے ہر حریف کو ہرایا ہے۔ خواہ اس کا تعلق کسی بھی نسل سے تھا۔ وہ خود سیاہ فام ہے اور سیاہ فام لوگوں سے یورپ و امریکہ کے بعض شہروں میں اس کے باشندے جو سلوک کرتے ہیں وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ محمد علی کی شخصیت اور اس کے فن اور پے در پے کامیابیوں نے مغرب کے لوگوں کو مبہوت کر رکھا ہے۔ محمد علی کی مقبولیت میں کسی گلیمر کو بھی کوئی دخل نہیں وہ سیدھا سادا بلکہ صاف گو لمبا تڑنگا نوجوان ہے۔ وہ شراب پیتا ہے اور نہ سگریٹ کو ہاتھ لگاتا ہے نہ اسے عورتوں سے بے لگام رغبت ہے نہ نائٹ کلبوں کے ہنگامہ رقص و سرود سے کوئی لگاؤ ہے۔ وہ پنسلوانیا میں قائم اپنے جمنیزیم میں ہر وقت مشق کرتا رہتا ہے۔ جب اس سے فارغ ہوتا ہے تو سادہ کھانا کھاتا ہے۔ اور نماز پڑھتا ہے۔ اس خدائے عظیم کی حمد و ثنا بیان کرتا رہتا ہے جس نے اسے عظمت فن عطا کی ہے۔

اپنے فارغ اوقات میں وہ امریکہ بھر کی یونیورسٹیوں میں اخلاق عامہ اور زندگی کے ہمہ جہتی پہلوؤں پر لیکچر دیتا ہے۔ پچھلے دنوں میں اسے آکسفورڈ (لندن) نے اعزازی پروفیسر بنانے کی پیشکش بھی کی تھی۔

جناب محمد علی کے بارے میں دنیا کے تمام ممالک میں جو بے پایاں دل چسپی ظاہر کی جارہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دنوں تیل کے بحران کے بعد تیسری دنیا کے ممالک اور ان کے نظریہ حیات سے اتفاق رکھنے والوں کا حلقہ وسیع سے وسیع ہوتا چلا جارہا ہے۔ محمد علی سیاہ فام ہے اور مسلمان ہے۔ وہ ایک قوت بن کر ابھرا ہے اور اس کا تعارف ایک علامت ایک روایت کے طور پر کرایا جارہا ہے۔ وہ مشہور امریکی مبلغ جناب عالی جاہ محمد کا معتقد ہے۔ مغربی پریس میں پچھلے دنوں یہ خبر چھپی تھی کہ عالی جاہ محمد کا عقیدہ اسلام وہ بھی نہیں جو مسلمانوں کے سوادِ اعظم کا ہے پتہ نہیں حقیقت کیا تھی تاکہ سوادِ اعظم، سیاہ فام امریکی مسلمانوں سے کنارہ کش ہی رہیں۔ پھر ایک سیاہ فام مسلم عبدالمالک نے اسلام سے وابستگی کا اظہار کیا اس کا پہلا نام مالکم ایکس تھا۔ یورپی پریس اسے اسی نام سے پکارتا رہا۔ یہ برطانیہ میں مقیم تھے کہ ان کا دائرہ قبول اسلام بڑھتا چلا گیا۔ پھر ایک روز ان پر یہ الزام لگا کہ وہ قاتل ہیں۔ جون ۱۹۷۵ء میں انہیں اس جرم قتل کی بناء پر پھانسی دے دی گئی۔

یہ بڑی عجیب وغریب حکایت ہے کہ اسلام کا ایک مبلغ جو پہلے مسلمان بھی نہ تھا قبول اسلام کے بعد زمانہ جہالت کے افعال کیونکر کرسکتا ہے۔

بہر حال اس صدی میں سیاہ فام لوگ جو آج تک غلام سمجھے گئے اور غلامی کو ان کا نوشتہ تقدیر بنا کر رکھ دیا گیا تھا۔ غلامی کی ان زنجیروں کو اپنے قوت بازو سے توڑ رہے ہیں اور نہ صرف ایشیا و افریقہ بلکہ یورپ و امریکہ کے صحیح الخیال لوگوں میں اپنا حلقہ اثر پیدا کرتے جارہے ہیں۔ جناب محمد علی کی شخصیت اور ان کے فن سے دنیا بھر کے لوگوں میں جو دل چسپی ظاہر کی جارہی ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ عظیم باکسر ہے اور اپنی کامیابی کی پیش گوئی صبح کے سورج نکلنے کی طرح کرتا ہے اور اس بات نے اسے ایک غیر معمولی انسان بھی قرار دے دیا ہے۔

جنگ ہند چینی کے دنوں میں امریکہ میں لام بندی کا قانون نافذ ہوا تو محمد علی پر

اس کا اطلاق ناگزیر تھا۔ جب انہیں ملٹری کے ریکروٹنگ آفس کی طرف سے فوج میں بھرتی کا حکم نامہ پہنچا تو انہوں نے ویت نام کی جنگ میں حصہ لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ وہ بے گناہ اور نہتے شہریوں (ویت نامیوں) کے خون سے اپنے ہاتھ آلودہ نہیں کرنا چاہتا۔ محمد علی کے خلاف مقدمہ قائم ہوا، مگر وہ اپنے پہلے موقف پر چٹان کی طرح قائم رہا۔ اگرچہ اسے سزا و جرمانہ کا حکم ہوا۔ نیویارک سٹیٹ اتھلیٹک کمیشن نے کچھ مدت کے لئے ان کے ورلڈ چیمپئن کے ٹائٹل کو معطل کر دیا مگر محمد علی کا کہنا ہے کہ حق کی فتح ہوی ہے۔ بعد کو جناب محمد علی کے اسی موقف نے امریکہ کے رحمدل و خداترس شہریوں میں اس احساس حق گوئی کی شمع روشن کر دی۔ باپ ہوپ جو محاذ جنگ پر جانے والے امریکیوں کی دلجوئی کے لیے امریکہ سے سٹیج فلم اور ٹی وی اداکاروں اور رقاصاؤں کو لے جایا کرتا تھا، نے ویت نام میں رقص منڈلی کی قیادت کرنے سے انکار کر دیا۔ شرلے مکلین نے بھی ایسا ہی کیا۔ مگر جین فونڈا نے تو کمال ہی کر دیا وہ سائیگان پہنچ کر ویت نامی حُریت پسند ویت کانگ گوریلوں کو بہ نفس نفیس حُریت و آزادی کے لیکچر دینے لگی۔ یہی حال عام امریکیوں کا ہوا۔ بعض امریکیوں نے احتجاجا (امریکی حکومت کی جنگ جاری رکھنے کی پالیسی) کے خلاف اپنے ہاتھوں کی انگلیاں کاٹ ڈالیں۔ اگر کسی سے کچھ نہ بن پڑا تو وہ واشنگٹن کے میڈیسن ایونیو اور نیویارک کے ٹائم سکوئر میں بطور احتجاج کپڑے کھول کر کھڑا ہو گیا۔ اظہار احتجاج اور امریکی حکومت کی جنگ پالیسی نے نفرت کے خلاف شارع عام پر کپڑے کھولنے نے ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ اس تحریک کا نام سٹریکنگ قرار پایا۔ اب بھی جب کوئی وہاں کسی کے خلاف احتجاج کرنا چاہتا ہے تو وہ سٹریکر بن جاتا ہے۔

حال ہی میں محمد علی کے بارے میں ایک کتاب شکست خوردہ پھر بھی چیمپئن محمد علی، چھپی ہے جسے ایک امریکی مصنف بڈ سچل برگ نے لکھا ہے۔ اس نے کتاب

کے تعارف میں لکھا ہے۔

کہ یہ ایک ایسے شخص کی کہانی ہے جو سیاہ فام اور عظیم باکسر ہے جسکا پہلا نام کاسیس کلے تھا اور بعد میں مسلمان ہوگیا اور محمد علی نام رکھا۔ ایک ایسا پر اسرار ہیرو بن گیا۔ وہ جس قوت کی علامت ہے اس پر گمان کسی ماقبل تاریخ کے یونانی شہزور جیسے ہرکولیس کا سا ہوتا ہے۔ اس پر اسرار شخص محمد علی کا جب کسی سے مقابلہ ہوتا ہے تو اسے پوری دنیا دیکھتی ہے اسے جو شہرت اور عزت دنیا بھر میں حاصل ہے اس صدی میں کسی کے حصہ میں نہیں آئی۔

اس صدی کا سب سے بڑا واقعہ امریکہ کے مشہور سائنسدان ڈاکٹر ورنہر وان بران کا وہ جیو پٹر راکٹ تھا جس نے انسان کو پہلی بار چاند پر پہنچایا ہے۔ اور اس صدی کا دوسرا بڑا واقعہ جناب محمد علی کا باکسنگ مقابلہ ہے جنہیں وہ خدا کے فضل و کرم سے جیتے لیتے ہیں۔ ان مقابلوں کا تذکرہ دنیا کے پہلے امریکی مہ نوردوں سے بھی زیادہ ہو رہا ہے۔

محمد علی کون ہیں اور کیا کرتے تھے۔ ان کا بچپن کیسے گذرا۔ ان کے والدین کون ہیں۔ وہ کس جگہ رہتا ہے۔ کیا کھاتا ہے روز و شب کی طرح گزارتا ہے۔ اس نے اسلام کیوں قبول کیا۔ وہ اپنے پہلے نام کاسس کلے لکھے جانے اور پکارے جانے پر کس قدر سیخ پا ہوتا ہے۔ یہ اور سب حقائق جاننے کے لیے ہر کوئی بے تاب ہے۔

جیسا کہ ہم گذشتہ سطور میں کہہ چکے ہیں۔ محمد علی جس قوت کے امین اور علمبردار ہیں۔ وہ مغربی معاشرے میں ایک مستقل علامت کا روپ اختیار کر رہی ہے۔ عالیجاہ محمد عبدالمالک مارکس گریوی، آدم کلے ٹن پاول ہیں۔ جو آج کل بین الاقوامی شہرت یافتہ ہیں۔ ان کا تعلق زندگی کے ایسے شعبوں سے ہے جہاں کبھی سفید فام لوگوں کی اجارہ داری تھی۔

جس طرح محمد علی کی شخصیت دل چسپ اور اس کی کامیابیاں محیر العقول ہیں۔

اسی طرح وہ باتیں بھی بڑی دلچسپ کرتا ہے۔ گذشتہ سال جب وہ جوفریزیر کے مقابلہ کے لیے تیاری کر رہا تھا۔ تو اس نے بڑی دلچسپ اور معنی خیز بات کہی تھی۔

میں ہار نہیں سکتا کیونکہ دنیا بھر کیلئے لڑ رہا ہوں۔ اگر میں جیت گیا تو دنیا کے لوگ جیت جائیں گے۔ اگر میں ہار گیا تو تمام دنیا کے لوگ ہار جائیں گے۔

محمد علی نیلے رنگ کی پتلون پہنے امریکی شہر ڈیٹرائٹ کے رنگ میں کھڑا ہے۔ اس کے اردگرد اس کے سیاہ فام ہم وطن کھڑے ہیں ہر کوئی آگے بڑھ کر اس سے ہاتھ ملانا چاہتا ہے۔ ہر چہرے پر مسکراہٹ کھیل رہی ہے۔

میں کیا چاہتا ہوں وہ لوگوں کی طرف ہاتھ اٹھا کر پوچھتا ہے۔ پھر کوئی جواب لیے بغیر خود ہی کہتا ہے میں خدا کی رضا اور اس کا فضل چاہتا ہوں۔۔۔

میں سب سے بڑا بننا چاہتا ہوں۔ اپنے حریفوں کے لیے بڑا بننا چاہتا تھا۔ محمد علی شیر کی طرح چنگھاڑ رہا تھا مجمع میں سے کسی نے کہا۔

بھائی وہ تو آپ پہلے ہی ہیں۔

تم ہر سیاہ فام اور سفید فام سے بڑے ہو دوسرے نے لقمہ دیا۔

اب محمد علی اس بات کو طول نہ دینا چاہتا تھا اور وہ چپ رہا جب وہ بولتا ہے تو یوں لگتا ہے جیسے شیر دھاڑ رہا ہو۔ جس طرح جنگل میں دہاڑتے شیر کی آواز سن کر ہر درندہ اور پرندہ راہ فرار اختیار کر لیتے ہیں بعینہٖ محمد علی کی تقریر کے آگے کوئی نہیں ٹھہر سکتا۔

مگر یہ حقیقت ہے کہ محمد علی بطور ایک ورلڈ چیمپئن باکسر سے زیادہ اس کی شہرت ایک سیاہ فام مسلمان رہنما کے طور پر دنیا بھر میں پھیل رہی ہے۔

محمد علی نے جارج فورمین سے مقابلہ کے وقت کہا تھا کہ شاید وہ آخری بار رنگ میں اترے مگر جب اُس نے اپنے حریف جارج فورمین کو ہرا دیا تو اس نے باکسنگ سے ریٹائر نہ ہونے کا اعلان کر دیا اور وعدہ کیا کہ جب وہ ۷۵ء میں جوفریزیر کو ہرا

لے گا تب وہ باکسنگ سے ریٹائر ہو جائے گا۔

جب وہ کوالالم پور میں جوبگر سے مقابلہ کرنے چلا تھا تو اس نے کہا تھا اس مقابلہ کے بعد وہ باکسنگ سے ریٹائر ہو جائے گا۔ مگر جوبگر کو ہرانے کے بعد اس نے اپنا ارادہ تبدیل کرلیا۔

محمد علی کے پاس بارہ ملین ڈالر ہیں شاید اگلے سرما تک اس کی آمدنی میں ایک ملین ڈالر کا اضافہ ہو جائے گا۔۔

واضح رہے کہ دنیا کی تاریخ میں پہلی بار روم (اٹلی) میں ایک مسجد تعمیر کی جارہی ہے جس کی تحریک شاہ فیصل شہید نے کی تھی۔ سعودی عرب کویت اور متحدہ عرب امارتوں کے سربراہ خطیر رقم کے عطیوں کے علاوہ عام سطح پر جناب محمد علی کا دو ملین ڈالر کا عطیہ بھی قابل ذکر ہے۔

محمد علی کی مقبولیت کا جو عالم دنیا بھر میں ہے اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے۔ وہ جہاں کہیں بھی جاتا ہے ہجوم اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا حتیٰ کہ وہ اس ہوٹل کے کمرہ تک آپہنچتا ہے۔

دنیا بھر کے ممالک مجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ میں ان کے ملک کا دورہ کروں۔ دنیا کا عظیم ملک چین مجھے اپنے یہاں دورہ کی دعوت دے چکا ہے۔ محمد علی بے تکان لوگوں کو بتاتے جارہے تھے۔

مجھے دنیا کے بادشاہوں اور مختلف ممالک کے صدروں نے اپنے ساتھ کھانے کی دعوت دی ہے۔ مگر امریکہ کے کسی صدر نے مجھے ایسی دعوت نہیں دی۔ ایک امریکی صدر نے میرے بارے میں محل نظر جملے استعمال کئے تھے۔ مگر وہ اب مجھ سے ہاتھ ملانا چاہتے ہیں میرا ہاتھ چومنا چاہتے ہیں۔ یہ ایک سیاہ فام اور غیر تعلیم یافتہ انسان سے فیاضانہ برتاؤ کی بہترین مثال ہے۔

میں اب تک اچھی طرح لکھ بھی نہیں سکتا۔ میں اپنا کام چلانے کے لیے کرایہ پر

منشی حاصل کرتا ہوں، جب وہ امریکہ سے ملائشیا کے روانہ ہونے والا تھا۔ لوگوں سے اس نے سوال پوچھا (وہ حسب عادت اخبار نویسوں اور لوگوں سے فکر انگیز اور معنی خیز سوالات ضرور پوچھتا ہے)

شاید تم مجھ سے یہ پوچھو کہ میں یہ سب کیوں کر رہا ہوں، ۳۴ سالہ محمد علی نے اپنی عمر کی طرف انگشت نمائی کرتے ہوئے سوال جاری رکھا میں اس عمر میں کیوں باکسنگ کرتا ہوں۔ پھر اس نے اپنے روایاتی انداز میں خود ہی جواب دیا۔

میں امریکہ میں ایک ایسا شہرت یافتہ انسان ہوں جس کی شہرت کے ساتھ ذم کا پہلو بھی لگا دیا جاتا ہے۔ مجھے امریکی محاورہ کے مطابق Super Fly تو ضرور قرار دیا جاتا ہے مگر Baddest کے ساتھ یہ اسی طرح کی تعریف ہے۔ (جو امریکی اخبارات کرتے ہیں) کہ دلہا تو وہی ہے مگر اس نے مانگے کا کوٹ پہن رکھا ہے۔

ان دنوں ایسی فلمیں بھی بن رہی ہیں جن میں سفید فام ہیروئن کے مقابل سیاہ فام ہیرو لئے گئے ہیں۔ جس طرح سیاہ فام سڈنی پوٹر کے مقابل سفید فام روزانا شفینو کو ہیروئن لیا گیا۔ اسی طرح سیاہ فام جم براؤن کو سفید فام راکوئیل ویلچ کے مطابق ہیروئن لیا گیا۔ ان سیاہ فام فلم اداکاروں کو سپر فلائی تو مانا گیا مگر بدترین الفاظ کے ساتھ۔

میں اپنے آپکو ہالی وڈ جا کر فروخت نہیں کروں گا مجھے اس کی ضرورت نہیں اور نہ میں اس شراب تجارت کے لئے اشتہار میں ماڈل بننا چاہتا ہوں۔ جس کے لیے یورپ و امریکہ کے بڑے بڑے معزز گھرانوں کی لڑکیاں لڑکے ماڈل بننا پسند کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی نصرت میرے ساتھ ہے۔ میں پاک صاف روزی پر یقین رکھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے ایسا رزق پہنچاتا ہے۔

امریکہ کے سیاہ فام مسلمان رہنما عالیجاہ محمد کی وفات کے بعد محمد علی کو باکسر کے علاوہ بطور ایک مذہبی رہنما کے زیادہ اہمیت حاصل رہی ہے۔

محمد علی کے ذاتی عملہ میں سیاہ فام لوگوں کے علاوہ دو سفید فام بھی شامل ہیں۔ جینی کلورائے جو اس کا مینجر ہے اور اینگلو ڈنیڈی جو اس کا اتالیق ہے۔ جینی کلورائے نے بتایا کہ محمد علی اپنی ذاتی آمدنی کا بیشتر حصہ رفاہی اداروں کو خیرات کر دیتا ہے اور اپنے مستقبل کے لیے بہت کم بچا کر رکھتا ہے مگر جب اسے کہا جائے کہ اپنے لیے بھی رکھو تو وہ کہتا ہے۔

مجھے میری ضرورت کی ہر چیز مل رہی ہے۔ شکاگو میں میرے پاس ایک خوبصورت مکان ہے اور پنسلوانیا میں ایک لاگ ہاؤس ہے۔ جسے آنوس کی لکڑی سے بنایا گیا ہے۔ یہی جگہ اس کا ٹریننگ کیمپ بھی ہے اور ایک سفید ولا بھی۔ تو پھر میں خیرات کئے جانے والے روپے کو اپنے پاس کیوں رکھوں۔

مارچ ۱۹۷۵ء میں محمد علی نے انسان دوستی کی ایک شاندار مثال قائم کی ہوا یوں کہ کلیولینڈ کے دوسرے درجے کے ایک باکسر چک ویپنر سے مقابلہ کا اعلان کر دیا۔ اس مقابلے کی آمدنی کا کثیر حصہ چک ویپنر کی ناداری کی وجہ سے اسے دے دیا۔ اور علی نے فروخت کئے جانے والے ٹکٹوں میں سے ہر ٹکٹ کی مجموعی رقم سے پچاس سینٹ فی ٹکٹ بین الاقوامی فوڈ ریلیف پروگرام کو بطور عطیہ دینے کا بھی اعلان کیا۔ اس فوڈ ریلیف پروگرام کے تحت دنیا کے نادار اور بھوک اور قحط سے ستائے لوگوں کی مدد کی جاتی ہے۔

کچھ عرصہ کا ذکر ہے کہ محمد علی سے مقامی مسلمانوں پر مشتمل ایک وفد جس کی قیادت رونالڈ بے نے کی تھی محمد علی سے ملنے گیا۔ اس ملاقات کی غرض و غایت یہ تھی کہ محمد علی کو ایک ایسے ڈیپارٹمنٹل خریدنے پر آمادہ کیا جائے جس کے ساتھ کافی رقبہ تھا۔ تجویز یہ تھی کہ اگر علی اسے خریدے تو موجودہ جگہ پر ایک طرف گرجا دوسری طرف مسجد اور دونوں کے اخراجات پورے کرنے کے لیے ایسی دکانیں چلائی جائیں۔ جو ان کے ساتھ ہی ملحق ہوں۔ جب محمد علی نے اس تجویز کو سنا تو اس نے

فوری طور پر اسے عملی جامہ پہنانے پر آمادگی کا اظہار کیا۔ اور اس نے دو لاکھ پچاس ہزار ڈالر کا چیک کاٹ دیا۔ یونہی یہ سٹور اور اس کی ملحقہ جائداد و رقبہ عمارت وغیرہ خرید لیا گیا۔ محمد علی نے اسے فی سبیل اللہ صرف ایک ڈالر سالانہ کرایہ پر گرجا گھر کی انتظامیہ کے حوالے کر دیا تا کہ وعدہ کے مطابق اس جائداد کی آمدنی سے تعمیر کی جانے والی مسجد محمد علی کے نام سے موسوم کی جائے۔

امریکہ کی مشہور یونیورسٹی ہارورڈ کی انتظامیہ نے پچھلے دنوں محمد علی کو یونیورسٹی میں آ کر لیکچر دینے کی دعوت دی ہے وہ کیمبرج یونیورسٹی (برطانیہ) میں اپنی بیوی بلینڈا اور عم زاد بہن برونیکا علی کو ساتھ لے کر لیکچر دے چکا ہے۔ ہر لیکچر میں ایسی باتیں کرتا ہے جو عام طور پر وہ رنگ کے اندر اور باہر کیا کرتا ہے۔

علی جہاں جاتا ہے یہ دونوں خواتین بھی اس کے ساتھ جاتی ہیں۔ ہاورڈ یونیورسٹی کے فیکلٹی کلب نے ان تینوں کا جس جوش و خروش سے استقبال کیا یونیورسٹی انتظامیہ کا کہنا ہے کہ اس کی مثال نہیں ملتی اور کہا This is the biggest reception we ever had. He is even bigger than john wayne محمد علی اپنی مہارت، شہرت اور ہر دلعزیزی میں جان وین سے بھی بڑا ہے (مڈ نائٹ کاؤ بوائے کا اکیڈیمی ایوارڈ یافتہ غیر معمولی شہرت کا حامل اداکار) اس رات علی نے جو تقریر کرنا تھی۔ اس کی شہرت کا یہ عالم تھا کہ اسے سننے کے لئے سامعین نے پندرہ ڈالر میں ایک ایک ٹکٹ خریدا تھا۔ مگر ہارورڈ یونیورسٹی کے سینئر کلاس طلباء اور انتظامیہ کے اراکین کو محمد علی کے کہنے پر اعزازی طور پر مدعو کیا گیا۔ موضوع زیر بحث، مستقبل کے صدروں، ڈاکٹروں اور وکلاء کے بارے میں تھا۔

محمد علی نے اپنی تقریر میں بتایا کہ میں سکول کی تعلیم کے دوران میں ایک معمولی طالب علم تھا لیکن میں کبھی فیل نہیں ہوا کیونکہ میں ان ہی دنوں ورلڈ اولمپک کھیلوں میں سونے کا تمغہ جیت چکا تھا۔

محمد علی نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا۔

ایک بڑا آدمی یہ کبھی نہیں بھولتا کہ وہ ماضی میں کیا تھا۔ چند سال گزرے کہ میں ایک ہفتہ میں صرف اٹھارہ ڈالر کماتا تھا۔ لیکن اب میں صرف ایک ہی دن میں ملین ڈالر (دس لاکھ ڈالر) تک کمانے کی سوچ رہا ہوں محمد علی دنیا بھر میں جو شہرت حاصل کر چکا ہے۔ وہ اسے بحال رکھنے کے لیے بھاری قیمت بھی ادا کرتا ہے۔ وہ دنیا میں جہاں جاتا ہے اس کے اردگرد آٹوگراف حاصل کرنے والوں کا اتنا بڑا ہجوم لگ جاتا ہے کہ اس بات کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

میں جتنا پیسہ چاہتا ہوں کما لیتا ہوں مگر آئندہ جن مقابلوں میں حصہ لے رہا ہوں ان کی تمام آمدنی میرے مسلمان بھائیوں کی بہتری و بہبودی کے لیے وقف ہوگی۔ اور یہ کہ میں ہمیشہ بہتری کی امید رکھتا ہوں۔

محمد علی جب کاسیس کلے تھا

بچپن اور لڑکپن

جب محمد علی پیدا ہوا تو وہ کوئی صحت مند بچہ نہ تھا اس کا وزن عام اوسط صحت کے بچوں سے بھی کم تھا چھ پاؤنڈ سات اونس کا بچہ کاسیس کلے تھا۔ اس کا مقام پیدائش امریکہ کا ایک قصبہ لوئیس ویلج تھا۔ وقت تھا چھ بج کر پینتیس منٹ اور تاریخ تھی ۱۷ جنوری ۱۹۴۶ء اس وقت دنیا پر جنگ کے سائے مسلط تھے۔ اور دوسری عالمگیر جنگ کے خاتمہ میں ہنوز تین سال باقی تھے جناب محمد علی کا کہنا ہے کہ انہیں اپنے بچپن کے بارے میں کچھ یاد نہیں ہے تاہم ایک بات جوان کے لوح ذہن پر نقش ہے۔ وہ اپنی ماں اور باپ کے ساتھ روزانہ گلی میں سے گزر کر بس میں سوار ہونے کا معمول تھا۔ اور یہ معمول چار برس کی عمر سے لے کر اٹھارہ برس تک جاری رہا۔

اور انہیں یہ بھی یاد ہے کہ وہ اکثر واپسی پر گلی میں سے گزرتے ہوئے ایک مکان کے صحن میں جا نکلتے وہاں سیب کے ایک درخت پر جا چڑھتے اور انہیں درخت پر چڑھتے دیکھ کر ایک بوڑھا آدمی سامنے آجاتا اور انہیں یہ اکثر سمجھاتا تھا کہ نیچے اتر آؤ ورنہ ٹانگ تڑوا بیٹھو گے۔

اور میں اس آدمی کی نصیحت کو سُنی ان سنی کر کے نیچے اتر آتا اور پاؤں زمین پر لگتے ہی بھاگ کھڑا ہوتا۔ اور مجھے بھاگنے میں سہولت اس لئے بھی رہتی تھی کہ اس مکان کے صحن میں میز کرسیاں نہ بچھی ہوتی تھیں۔ عام طور پر اکثر امریکی گھرانوں میں صحن زار (لان) میں میز کرسیاں ضرور رکھی ہوتی ہیں۔ اور ہم جن لوگوں سے تعلق رکھتے تھے وہ بے حد غریب لوگ تھے زندگی کی بنیادی سہولتوں اور مبادی ضرورتوں سے محروم اور بے بہرہ۔

مگر میرے والدین امیر تھے۔ دولت کے لحاظ سے نہیں تونگری کے لحاظ سے

صحت کے لحاظ سے اور دوستوں کی رفاقت کے لحاظ سے امارت ہمارے قدموں میں لوٹ لوٹ کر جاتی تھی ۔ میں ہمیشہ خوش وخرم رہتا۔ مجھے کوئی فکر تھی تو بس یہی تھی کہ مجھے کیا کرنا ہے ۔اور وہ میں کرنا بھی جانتا تھا۔اور مجھے ایسا کرنے کی اجازت بھی تھی مگر مجھے ابتدا عمر ہی سی ہیوی ویٹ چیمپئن بننے کا شوق تھا۔

تب میں نے باکسنگ سیکھنا شروع کردی۔میرا یہ بھی خیال تھا کہ امریکہ جیسے عظیم ملک میں ایک سیاہ فام اور پسماندہ شہری کے لیے اپنا مقام بنانے کا باکسنگ ہی ایک آسان اور تیز رفتار ذریعہ ہے۔ایک دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ میں سکول کی پڑھائی میں نکما اور نکھٹو ثابت ہوا تھا۔اور میں نہیں جانتا تھا کہ دو اور دو افراد بھی ہو سکتے ہیں یا چار ہوتے ہیں ۔اگر وہ آپس میں دو چار ہوں تو پھر وہ ایک دوسرے کے حریف ہوتے ہیں ۔

اور میں کسی شعبہ میں کسی کا حریف نہ تھا۔جیومیٹری، الجبرا، حساب، تاریخ اور جغرافیہ نہ جانتا تھا۔اور میں سکول میں نہ فٹ بال کا کھلاڑی بن سکا اور نہ باسکٹ بال کا پلیئر ۔ظاہر ہے جو طالب علم پرائمری سکول میں نکما اور غبی ہو وہ کالج جا کر کیا بھاڑ جھونکے گا اور کالجوں سے ڈگریاں یونہی نہیں ملا جاتیں اس کے لیے محنت کرنا ہوتی ہے اور پے در پے امتحانات دینا پڑے ہیں اور میں نے سوچا کہ میں صرف ایک امتحان دوں گا اور وہ باکسنگ کا امتحان ہوگا جو میں ہر بار دیتا ہوں لوگ دنیا بھر کے لوگ میرا امتحان لیتے ہیں اور میں پورا اترتا ہوں ۔بات آگے چلی گئی ہے۔

تو میں کہہ رہا تھا ایک طالب علم کو پڑھائی کے لئے سات سمندر پار بھی جانا پڑتا ہے اور ایک باکسر کو صرف باکسنگ جمنیزیم تک جانا ہوتا ہے۔جمنیزیم میں جا کر اسے اچھلنا کودنا پڑتا ہے سو میں بھی ہر محفل میں دھم سے کودا ہوں ۔ایک شعر عرض ہے۔

کودا تیری محفل میں کوئی دھم سے نہ ہوگا جو کام کیا ہم نے وہ رستم سے نہ ہوگا

ہاتھوں اور پیروں کی اُچھل کود اسے پیشہ وارانہ مہارت عطا کرتی ہے اور یہی

مہارت اسے جتاتی ہے اور گاہ ہراتی ہے اور جب وہ رنگ (مقابلہ چار دیواری) میں اترتا ہے اگر وہ اپنے فن کا خود ہی مولا ہو تو وہ نہ صرف جیت جاتا ہے۔ بلکہ حریف کو پیٹ جاتا ہے۔ شہرت بھی پالیتا ہے اور دال روٹی بھی کما ہی لیتا ہے۔ ایک فٹ بال اور باسکٹ بال کے کھلاڑی بھی تو دال روٹی کماتے ہیں۔ ایک باکسر بھی دال روٹی کے چکر میں ہوتا ہے مگر کچھ میری طرح اس چکر سے نکل بھی جاتے ہیں۔ جس طرح میں ہر زنجیر کا حلقہ توڑ جاتا ہوں۔

جب میری عمر بارہ برس کی تھی تب میں اُس وقت کے ایک مشہور باکسر جو بارٹن کے جمنیزیم میں مشق کیا کرتا تھا۔ یہ اسی عمر اور اسی وقت کا واقعہ ہے جب میں نے سب سے پہلے باکسنگ امیچور میں مقابلہ جیتا تھا اور اس کے ایک سال بعد میرے (امیچور) شوقیہ مقابلوں کو ٹی وی پر بھی دکھایا جانے لگا تب میرے باکسنگ کے انداز کو شہرت کے پر لگ گئے اور وہ امریکہ کے ساحل ساحل اور قریہ قریہ پھیل گئے۔ کچھ مصوروں نے تو باقاعدہ کینوس پر میرے مقابلوں کو منتقل کرنے کے بعد گھر گھر جا کر اس کی نمائش کا اہتمام کر ڈالا بالخصوص میرے مقابلوں کا چرچا ہمارے ہمسائیوں میں زیادہ ہوتا اور وہ ہمسائے میرے سیاہ فام ہم وطن تھے اور جب میں انہیں یہ بتاتا کہ میں کچھ کرنیوالا ہوں اور میرے ہاتھوں سے کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے تو انہیں میری بات کا یقین ہوتا کیونکہ شیخی مارنے کی میں نے بچپن ہی سے کبھی کوشش نہیں کی۔

جناب محمد علی نے جو مارٹن جمنیزیم میں مشق کو جاری رکھا اور اس مشق نے جو معرکہ دکھایا اس کی وجہ سے ہر کوئی مبہوت بلکہ سحر زدہ ہو گیا اور باکسنگ سے دلچسپی نہ رکھنے والوں کی توجہ محمد علی کی ذات پر مرکوز ہو کر رہ گئی۔

محمد علی نے کہا جب میرے پاس دوسروں کے لیے کوئی سامان کشش نہ تھا مگر تب بھی جب کہ میں نہ چل سکنے اور نہ بول سکنے کی قوت رکھتا تھا۔ میرے پاس لوگوں کی توجہ کھینچنے کی کشش موجود تھی اور توجہ کو مبذول اور کسی کو اپنی طرف کھینچنے کی بات

بڑی دلچسپ ہے۔

جن دنوں میں سکول میں پڑھا کرتا تھا۔تب میں نے سوچا کہ اپنی حرکتوں سے دوسروں کی توجہ کا مرکز کس طرح بنا جا سکتا ہے۔تب میں نے جلد ہی اس مسئلے کا حل تلاش کرلیا اور یہ کوئی ایڈیسن کا فارمولا نہیں تھا۔سیدھی سادی بات تھی کہ جو دوسرے طلباء روزانہ کرتے ہیں۔مجھے ان سے کچھ مختلف کرنا چاہئے۔

اور چھٹی کے بعد سکول کی بس طلبا کو لینے آجاتی سب طلباء ایک ایک کر کے اس میں سوار ہو جاتے اور میں پرے کھڑا رہتا یونہی کنڈیکٹر دروازہ بند کرلیتا اور میں چلتی بس کے پیچھے بھاگ کھڑا ہوتا اور یہ دہائی دیتا کہ بس روکو یونہی میری آواز اندر بیٹھے طالب علم ساتھیوں تک پہنچتی اور وہ سب کے سب کھڑکیوں سے ہاتھ اور سر باہر نکال کر خوشی کے مارے چلانے لگتے کہ دیکھو وہ کلے بھاگا آرہا ہے۔ابے! دیکھو کہ اس کا دم کیسا پھلا ہے اور وہ دیکھو وہ بس کے قریب آگیا۔اور یہ رہا کلے، کتنا تیز رفتار ہے،لڑکے اپنی اپنی بولیاں بولتے جاتے اور پھر ان ہی میں سے کسی کی آواز آتی کہ یارو! دیکھو کیا اخروٹ کی طرح لڑھکتا آرہا ہے۔

غرض میں ہر روز اسی طرح کرتا۔اور سب لڑکوں میں میری اس شرارت کا صبح تک چرچا رہتا۔اس بات نے مجھے ایک خصوصی لڑکے کا مقام دے دیا تھا۔

اور یا پھر کسی روز یہ نہ ہوتا تو میں آدھی چھٹی کے وقت کسی سے معمولی بات پر جھگڑ پڑتا۔اور وہ اگر میرے ہاتھ پاؤں توڑنے کی فکر میں ہوتا تو میں اس کا جبڑا پھوڑنے کی جستجو میں ہوتا۔دو مرغوں کی لڑائی کی طرح ہم نیچے لڑاتے اور دیکھتے ہی دیکھتے سکول بھر کے طالب علم ہمارے اردگرد جمع ہو جاتے اور پھر اتنا بڑا ہجوم ہو جاتا۔اور آپ کو یہ جان کر شاید حیرت ہوگی کہ میں اپنے اردگرد ہجوم کو پسند کرتا ہوں۔

امریکہ معاشرہ میں باپ کا نام بیٹے کے ساتھ بطور سابقہ ضرور لگایا جاتا ہے۔

اور وہاں ایک ہی شخص کے کئی نام ہوتے ہیں۔

اور اسے اس کے پہلے یا دوسرے اصل یا بطور چھیڑ کے ناموں کے ساتھ پکارا جاتا ہے۔ اور یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ وہاں لاڈ پیار کے نام تو ایک شخص کے مقتدر یا حکمران بن جانے کے بعد بھی ساتھ ہی رہتے ہیں۔ ان سطور کا مقصد یہ تھا کہ اب جناب محمد علی کے والد کا ذکر بھی کیا جائے۔ انہیں کاسیس کلے سینئر کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ جب محمد علی نے لڑکپن کے بعد جوانی میں قدم رکھا تو وہ باکسنگ کی مشق کے علاوہ کوئی کام نہیں کرتا تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ محمد علی کو کام کرنے کی فرصت نہ ملتی تھی کیونکہ انہیں اپنے اصل کام باکسنگ سے کام تھا۔ ان کے والد ماہوار اتنا روپیہ کما لیتے تھے کہ ان کے کنبے کو کبھی تنگ دستی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ وہ گذشتہ بیس برس سے زیادہ عرصہ تک لوئیس ویلج کے کامیاب سائن پینٹر تھے انہیں اپنے کام کے معیار پر فخر تھا اور انہیں اپنی کامیابی کا سو فیصد یقین ہوتا تھا۔ جب محمد علی کی عمر تیئیس برس کی ہوئی تب انکے والد نے انکے لئے ایک اچھا مکان خریدا تھا۔ محمد علی کا کہنا ہے کہ انہوں نے اپنے والد کو کبھی بیکار نہیں دیکھا وہ ہر وقت کام کرتے رہتے تھے اور انکی زندگی کام سے عبارت تھی اور وہ ہم سب اہل کنبہ کے لیے کام کرتے تھے اور محمد علی نے اپن بارے میں کہا ہے کہ میں نے کسی کیلئے کام نہیں کیا جو کچھ بھی کیا اپنی ذات کے لیے کیا ہے کیونکہ مجھے ایک ہی دُھن تھی اور میرا کام تھا باکسنگ رنگ جمنیزیم اور بیگ پنچگ (تھیلوں کو مکہ رسید کرنیکا عمل)

محمد علی کے والد

چونکہ سیاہ فام لوگوں کی سفید فام امریکی معاشرہ میں کوئی قدر ومنزلت نہیں ہے اور نہ ان کی کوئی سماجی اہمیت ہے۔ اور ان مفلوک الحال لوگوں کو اپنی روزی کمانے کے لیے عام طور سے حقیر کام کرنا پڑتا ہے۔ اور روزگار کی تلاش میں سختیوں نے سیاہ فام لوگوں کو ہر چیز سے بے نیاز بنا دیا ہے۔ وہ کھانے پینے سے بے نیاز اپنوں سے بے نیاز ہمسائیوں سے بے نیاز حد یہ کہ اپنی ذات سے بھی بے نیاز ہیں۔ یعنی جو ملا کھا لیا نہ ملا تو ننگے ہی سو رہے۔ ظاہر میرے والد کا تعلق بھی اسی معاشرہ سے ہے جن کے افراد کو عزت دار لوگ نہیں سمجھا جاتا۔ اور اگر کسی کو ہر وقت بُرا سمجھا جاتا رہے تو ایک اچھا بھی بُرا بن جاتا ہے۔ میرے والد اگر چہ ایک بارروزگار فرد تھے مگر مجلسی و معاشرتی رتبہ کے عدم وجود نے انہیں اکھل کھرا بنا دیا تھا۔ اور جب وہ اپنا (سائن پینگ) نہ کرتے تو ناونوش میں لگے رہتے یا پھر ہر کسی سے لڑتے جھگڑتے رہتے۔

پولیس ڈیپارٹمنٹ کے ریکارڈ کے مطابق میرے والد کو متعدد بار مختلف جرائم میں گرفتار کیا جاتا رہا ہے۔ ایک بار انہیں کار تیز چالنے پر جرمانہ ہوا، ایک بار لوگوں سے ناشائستہ رویہ اختیار کرنے پر جرمانہ ہوا۔ ایک بار انہیں ایک غلط جگہ کار کھڑی کرنے پر تنبیہہ ہوئی۔

ایک بار انہیں توڑ پھوڑ کے الزام میں دھر لیا گیا تھا۔ دوبار انہیں ایک اخلاقی جرم میں ملوث کیا گیا۔ مگر کسی کو خبر نہ تھی کہ محمد علی ان کا بیٹا ایک روز ایسی عالمگیر شہرت پائے گا کہ تمام دنیا نہ صرف محمد علی بلکہ اس کے والدین کے بارے میں بھی معلومات حاصل کرنے میں گہری دل چسپی رکھے گی۔

میرے والد جس معاشرہ کے فرد تھے ان کی معاشی پسماندگی نے سبھی افراد کو نمایاں ہونے بلکہ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی خواہ وہ برائی ہی کیوں نہ ہو ایک بھونڈی تقلید میں مبتلا کر رکھا تھا۔ وہ عام طور پر زرق برق لباس پہنا کرتے تھے۔

دوسروں کے معاملات میں مداخلت سے بھی دل چسپی رکھتے تھے اور میں اس وقت انہیں کسی بات پر ٹوک نہیں سکتا تھا۔ انہیں نامحرم عورتوں سے بھی دل چسپی ہوتی تھی۔ مگر میں ان کی ان حرکات پر دم بخود ہو کر رہ جاتا۔ ان کی عمر اس وقت ستاون برس کی تھی۔ ان کی ان غیر مجلسی سرگرمیوں کی وجہ سے میں انہیں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ بابا سٹھیا گیا تھا۔

محمد علی کو اپنے باپ کے ان کاموں سے بڑی چڑ تھی جن کی وجہ سے ایک انسان شرف فضیلت کھو بیٹھتا ہے۔

یہ واقعہ بھی محمد علی کی اپنی زبانی ان کی ایک سوانح عمری میں درج ہے۔

ایک روز جب کہ میں اور والد صاحب کناچکی میں تھے میری عمر یہی کوئی بارہ برس اور میں یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ عورتوں کی طرف مرد کیوں گھور کر دیکھتے ہیں اور مجھے حُسن یا خوبصورتی کا بھی نہیں پتہ تھا کہ اچھا چہرہ یا بُری صورت کیا ہوتی ہے۔ ہم کار میں بیٹھے ایک سڑک پر جا رہے تھے کہ دفعتاً والد صاحب نے کار روکی فرنٹ سیٹ سے یوں اچھلے اور باہر جا کھڑے ہوئے اتنے میں ساتھ ہی قریبی بس سٹاپ پر ایک بس رک چکی تھی۔ والد صاحب آؤ تاؤ دیکھے بغیر اس میں سوار ہو گئے۔ اور میں اس انتقال منظر کو حیرت سے کار میں بیٹھا تکتا گیا۔ بس چل پڑی اور پھر آنکھوں سے اوجھل ہو گئی قریباً ایک گھنٹہ گزر گیا میں نے دیکھا کہ والد صاحب ایک دوسری بس سے اتر کر میری طرف آئے اور آتے ہی کہنے لگے کہ میں بس میں سوار ایک لڑکی سے اس کا فون نمبر معلوم کرنا چاہتا تھا۔

میرے والد ہمیشہ سفید جوتے پہنا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ وہ ہمیشہ گلابی رنگ کی پتلون اور نیلے رنگ کی قمیض پہنا کرتے تھے۔ اور ہمیشہ ہم سے یہ بھی کہا کرتے تھے کہ وہ کبھی بوڑھے نہ ہوں گے۔ ان کا ہمارے ساتھ سلوک ایسا ہوتا جیسے ہم باپ بیٹے کی بجائے دوست ہوں اور یہ بھی تھا کہ وہ جب ہمارے ساتھ باہر

جاتے تو لوگ ہم سب باپ بھائیوں کو دیکھ کر یہی کہتے کہ اصل میں ہم بھائی بھائی ہیں اور بات یہ بھی تھی کہ ہم ان کے ساتھ اکثر اِدھر اُدھر گھومنے جایا کرتے تھے۔ اور ہمیں قطعی احساس نہ ہوتا تھا کہ ہمارے اوپر ایک باپ تحکم مسلط ہے۔

اگر چہ میرے والد پیشہ کے لحاظ سے سائن بورڈ پینٹر تھے مگر اصل میں ایک مصور تھے وہ ساری عمر برش ہاتھ میں اور ہاتھ رنگ سے بھرتے رہے انہوں نے ابتداء میں ہمیں بھی سائن پینٹنگ سکھانے کی ترغیب دی تھی۔

ممکن ہے کہ میرے والد کے بارے میں ڈھیر ساری گفتی و ناگفتی باتوں سے بعض لوگوں کو حیرت ہوئی ہو مگر میں اپنے والد کا بے حد شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے بات کرنے کا سلیقہ دیا ہے۔

ہم سیاہ فام طبقہ کے لوگوں پر عام طور پر کوئی نہ کوئی شبہ ضرور کیا جاتا ہے۔ اور ہمارے بارے میں یہ بھی ضرور فرض کرلیا جاتا ہے کہ ہم امن شکن لوگ ہیں۔ ہماری معمولی باتوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے۔ اگر یہی کام ایک سفید فام کرے تو یہ عین شہری آزادی ہے۔

ایک بار میرے والد ایک شناسا عورت جس کا نام ماریان ڈورسی تھا کے ساتھ کار میں بیٹھے جارہے تھے اور انہیں بغیر کسی وجہ کے گرفتار کرلیا گیا۔ ماریان ڈورسی پر الزام یہ تھا کہ اس نے کوئی غیر قانونی منشی چیز استعمال کر رکھی ہے۔ اس کے بعد اسی ماریان نے میرے والد پر مار پیٹ اور دراز دستی کا الزام لگا دیا۔ کوئی بھی ذی عقل آدمی اس قسم کے بے سروپا بات کو تسلیم نہیں کرسکتا کیا یہ کوئی طریق زندگی ہے کہ ایک آدمی ساری عمر ممنوعات کے پیچھے اور پولیس اس کے پیچھے پیچھے سائے کی طرح لگی رہے۔

میرے والد نے زندگی بھر کسی عورت پر ہاتھ نہیں اٹھایا مارنا پیٹنا دور کی بات ہے۔ تاہم میں زندگی بالخصوص عورت کے بارے میں ایک بدیہی بات کہنا چاہتا

ہوں۔

اگر شارع عام پر کوئی چیخنا چلانا شروع کر دے کسی مرد پر الزام تراش ڈالے ہر کوئی بلا سوچے سمجھے اس کی بات پر اعتبار کر لے گا۔

میرا خیال ہے عورتوں کو ہر طرح کا تحفظ دیا جانا چاہیے۔ تاہم اگر کوئی عورت واویلا پر اُتر آئے اور الزام کی حقیقت بھی ثابت کرنے کا حربہ استعمال کر لیتی ہے تو کوئی چیز آپ کو بندوق کی نالی سے نہیں بچا سکتی۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

سکول سے جمنیزیم تک

میں نے اپنی والدہ سے دوسروں کو عزت کرنے اور کرانے کا طریقہ سیکھا ہے یہی وجہ ہے کہ میں ہر کسی کی عزت کرتا ہوں اور اس فعل کو بہتر خیال کرتا ہوں اگر ایک سیاہ فام اچھائی نہیں اپناتا ظاہر ہے اسے کوئی اچھا نہیں کہے گا اگر ایک سیاہ فام نیکی نہیں کرتا تو اسے کوئی بھی نیک نام نہیں کہے گا۔ یہی بات مجھ پر صادق آتی ہے تاہم میں انفرادیت کو ترجیح دیتا ہوں رنگ و نسل کو نہیں کیونکہ دنیا میں جتنی بھی نوعِ انساں کی نسلیں ہیں ان میں اچھے اور بُرے افراد بھی ہوتے ہیں۔

اگرچہ میں شراب نہیں پیتا۔ اور میں اپنی بیوی سے لڑنے جھگڑنے سے اجتناب کرتا ہوں۔ مگر بہت کم لوگوں کو یہ بات معلوم ہے کہ میں وہی محمد علی ہوں (جو باکسنگ کے ابتدائی ایام میں جن دنوں میں جو مارٹن جمنیزیم میں مشق کے لیے جایا کرتا تھا) اسے ہر بات چیخ چلا کر کرنے کی عادت تھی۔ اس کی اسی عادت نے اسے مارٹن جمنیزیم میں اس کے داخلے پر پابندی عائد کرادی تھی۔

مارٹن نے مجھے سے کہا اگر میرا اندازِ گفت گو نہ بدلا تو اسے اپنا فیصلہ بدلنا پڑے گا۔ مجھے مارٹن کی یہ بات تسلیم کرنا پڑی اگر وہ کہتا کہ باہر بارش ہو رہی ہے تو مجھے کھڑکی میں سے جھانکے بغیر ہی تسلیم کرنا پڑا کہ ہو رہی ہوگی۔

بہر حال ان دنوں جو مارٹن کا بڑا شہرہ تھا خاص طور پر اس کے جمنیزیم کی بڑی دھوم دھام تھی ٹی وی پر کل کے چیمپئن کے عنوان سے ایک سلسلہ وار پروگرام مسلسل دکھایا جاتا تھا۔ باکسروں میں کم عمر کھلاڑی ہوتے تھے۔ اس طرح مجھے ہفتہ میں ایک بار ٹی وی پر دکھایا جاتا اور مجھے میرے کام کی وجہ سے شہرت بھی ملنے لگی۔

جو مارٹن کا کہنا ہے کہ ٹی وی کے سلسلہ وار پروگرام کو نہایت احتیاط سے تیار کرایا جاتا تھا کہ محمد علی کا جس کسی سے بھی مقابلہ دکھانا ہوتا تھا اس میں بھی احتیاط کو ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ کیونکہ یہ میں جانتا تھا کہ محمد علی یعنی اس وقت کے کاسیس کلے کو کون بچھاڑ سکتا

تھا۔

جو مارٹن کا یہ بھی کہنا ہے کہ جن دنوں اس کے جمنیزیم میں آنے سے پہلے جب محمد علی کولمبیا جمنیزیم میں جایا کرتا تھا تو وہ ہمیشہ اپنے آپ کو جمنیزیم کا اچھا باکسر خیال کرتا تھا۔ اور وہ یہ بھی دعوے کیا کرتا تھا کہ ایک وہ عالمی ہیوی ویٹ چیمپئن بن جائے گا۔

۱۹۵۸ء میں محمد علی نے لوئیس ویلچ میں منعقد ہونے والے اعزازی مقابلے گولڈن گلوز لائٹ ویٹ چیمپئن شپ کو جیت لیا تھا اور وہ شکاگو کے چیمپئن ٹورنامنٹ کے کوارٹر فائنل میں پہنچ گیا تھا۔ محمد علی کو وہاں ٹونی ماڈیگان سے شکست ہوئی مگر یہ عجیب اتفاق ہے کہ محمد علی نے ۱۹۶۰ء کے اولمپکس مقابلوں کے ہیوی ویٹ چیمپئن کے لئے سونے کا تمغہ جیت لیا تھا۔

پھر ایک سال بعد ہی جب کہ محمد علی ہنوز سکول طالب علم تھا۔ اس کا قد چھ فٹ اور وزن ایک سو ستر پونڈ تھا۔ اس نے امریکہ کے شہر ٹولیڈو میں منعقد ہونے والے مقابلے نیشنل لائٹ ہیوی ویٹ چیمپئن شپ کو جیت لیا تھا۔

یونہی اُس نے اپنی کامیابی کو اپنے قدم بوس پایا تو وہ زور سے چیخا کہ مجھ سے بڑھ کر کون شہزور ہے۔ اور میں عظیم ہوں اور یہ چلاتے ہوئے وہ رنگ سے باہر نکل گیا۔ جو مارٹن کا کہنا ہے کہ یہ مقابلہ دیکھنے کے لئے وہ بھی ٹولیڈو کے رنگ کے قریب کھڑا تھا۔ یونہی اس پر محمد علی کی نظر پڑی مجھے دیکھ کر آگے بڑھا اور میرا بازو تھام لیا بآواز کہنے لگا لوگو دیکھو کہ یہ دنیا کا سب سے ہلکا پھلکا چیمپئن باکسر ہے اور یہ کہتے ہوئے اس نے میرا ہاتھ اوپر اٹھا دیا۔ کہ میں دنیا میں دل کش نقش و نگار رکھنے والا لائٹ ویٹ چیمپئن ہوں۔ تب اس نے مجھ سے کہا کہ میں ڈریسنگ روم تک اس کے ساتھ چلوں۔ اور جب میں اُس کے ساتھ چلنے لگا تو وہ خوشی سے دیوانہ ہو رہا تھا اور کہنے لگا کہ لوگ مجھے کہتے ہیں کہ میں ہسپانوی لوگوں کی طرح شکیل ہوں۔ مگر میں

کہتا ہوں کہ میں باوجاہت ہوں اور مجھے عالمی چیمپئن بننا ہے۔

محمد علی اپنے آپ کو اب بھی دنیا کا پُرشبیہہ باکسر کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر باکسروں کی شکلیں مسخ ہو جایا کرتی ہیں اور ان کی شکل وصورت بالخصوص چہرہ اور بُشرہ اپنی قدرتی ہیئت کھو بیٹھے ہیں۔ اور جوانہوں نے اپنے آپ کو ہسپانوی کہا ہے۔ اس کی وجہ ہسپانوی لوگوں کی وہ روائتی وجاہت ہے کالے بال کھلتا رنگ، یورپی ہوتے ہوئے ان پر مشرقی ممالک کے باشندے ہونے کا گمان گزرتا ہے۔

محمد علی کی والدہ

ان کی والدہ کا نام اوڈسیالی گریڈی کلے ہے وہ ایک باکردار خاتون ہیں ان کے قول وفعل میں کوئی تضاد نہیں۔محمد علی کا کہنا ہے۔میری ماں شہد کی طرح شیریں اور مٹھائی کی طرح میٹھی ہیں۔وہ اپنا سارا وقت گھر میں گزارنا پسند کرتی ہیں انہیں جب دیکھو کچھ نہ کچھ پکاتی رہتی ہیں۔انہوں نے ہنوز اسلام قبول نہیں کیا اور میں انہیں اس کے لئے مجبور نہیں کرتا۔وہ ہر اتوار کو عیسائی مذہب کے مطابق گرجا ضرور جاتی ہیں۔وہ بیحد مرنجاں مرنج خاتون ہیں۔وہ کسی کو دکھ نہیں پہنچاتی۔وہ دل شکنی کو گناہ سمجھتی ہیں۔وہ خاموش طبع ہیں۔وہ ایک بھاری بھرکم عورت ہیں۔ان کی رنگت گندمی ہے وہ اتنی شیریں مقال ہیں جتنا کسی کو ہونا چاہیے۔

وہ سارا دن مصروفیت میں گزارتی ہیں وہ اپنے کپڑوں کو خود ہی رنگ لیتی ہیں۔سینے پرونے کا کام بھی خود ہی کر لیتی ہیں۔وہ شراب نہیں پیتیں انہیں سگریٹ نوشی کی لت نہیں ہے۔وہ ایک اچھی ماں کی سچی تصویر ہیں۔

جناب محمد علی نے کہا کہ ان کی والدہ کی جلد رنگت گندمی ہے۔اس بات کا ایک تاریخی پس منظر ہے جو آپ کی معلومات کے لئے درج ذیل ہے۔

لندن کے اخبار ڈیلی ایکسپریس کے مقالہ نگار ڈسمنڈ بیکٹ کا کہنا ہے۔

محمد علی والدہ کا جس خانوادے سے تعلق ہے اس کے جد امجد کا نام اولیڈ گریڈی تھا۔انکا تعلق ۱۸۷۰ء سے ہے۔اور وہ آئرلینڈ کے ایک قصبہ (کاونٹی) میں رہائش رکھتے تھے اور انہیں علاقہ میں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا انہوں نے ایک رنگدار عورت سے شادی کی تھی۔اولیڈ گریڈی کے ایک بیٹے نے بھی بڑے ہوکر ایک رنگدار عورت سے شادی کی تھی اس خانوادہ کی لڑکیوں میں سے ایک کا نام اوڈیسا اوگریڈی تھا۔محمد علی کی والدہ اوڈیسائی گریڈی کلے نے اس خاندانی نام کی مناسبت سے موجودہ نام اختیار کیا تھا۔

محمد علی کا کہنا ہے کہ میری ماں سادہ لوح خاتون ہیں اور وہ عیاری یا چالاکی سے یکسر خالی ہیں۔ جن دنوں میں چیمپئن نہیں تھا۔ یہ اُن دنوں کا ذکر ہے کہ مجھے گھر کے اندر اور باہر اپنے باکسنگ کارنامے رجزیہ انداز میں با آواز بلند بلکہ چیخ چلا کر بیان کرنیکا خبط ہوتا تھا۔ میرے اس عمل سے حریفوں کو تو حسد ہوتا ہی ہوگا۔ مگر ہمارے پڑوسیوں کو اس رجزیہ چیخ چنگھاڑ سے بڑی اذیت اٹھانا پڑتی تھی کیونکہ میرے پیدا کردہ شوروغل نے ایک دن انہیں میری والدہ سے شکایت کرنا پڑی تب میری والدہ نے ہمارے پڑوسیوں کو جواب فخریہ انداز میں کہا۔ کہ تم کیا جانو میرا بچہ جب کہ اس کی عمر دس ماہ ہوگی وہ تب سے بولنے کی کوشش میں لگا ہے۔ حالانکہ ایک شیر خوار کے لیے یہ ناممکن بات ہوتی ہے۔ اب جب کہ وہ اچھی طرح بول سکتا ہے تو میں اسے بولنے سے کیونکر روک سکتی ہوں۔

محمد علی کی والدہ سے محمد علی کے بچپن کا ایک اور واقعہ بھی منسوب ہے کہ ایک روز وہ جب ننھے محمد علی کو جھولا جھلا رہی تھیں۔ انہوں نے اپنی والدہ کو دھول دے مارا تھا۔ اس معصومانہ دھول سے ان کا دانت ایسا ہلا کہ پھر اسے نکلوانا ہی پڑا تھا۔

محمد علی کی والدہ کا کہنا ہے کہ جب محمد علی کی عمر تین سال کی تھی تو وہ مخصوص پنگھوڑے میں نہ سما سکتا تھا کیونکہ وہ عمر کے لحاظ سے تن توش کا بھاری تھا اس طرح اُسے باقاعدہ بستر پر سُلانا پڑتا تھا۔ جب کبھی ان کی والدہ کو محمد علی کے ساتھ لے کر بس یا ریل میں سفر کرنا پڑا تو انہیں تین سالہ محمد علی کیلئے آدھا ٹکٹ خریدنا پڑتا تھا کیونکہ ریل یا بس والے انہیں تین سال کی بجائے پانچ چھ سال کا بچہ سمجھتے تھے۔

محمد علی نے اپنے والد کے علاوہ اپنی والدہ کی بہت زیادہ تعریف کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ان کی والدہ نے ہم سب بھائیوں کو اچھے اخلاق سکھائے ہیں وہ ہمیں نیکی کی باتیں اپنانے کی تلقین کیا کرتی تھیں۔ اور وہ مجھے ہمیشہ صاف ستھرا لباس پہناتی تھیں اور گھر سے باہر ننگے پاؤں جانے کی اجازت نہ دیتی تھیں۔ وہ ہمیں

جھوٹی قسمیں کھانے سے منع کرتی تھیں انہیں یہ بات بھی سخت ناپسند تھیں کہ ہم بُرے کاموں میں مبتلا ہوں۔ان کی تمام تر مساعی اس امر پر مرکوز رہتی تھیں کہ ہمارا اخلاق خراب نہ ہو اور وہ ہر اتوار کو ہمیں عبادت گاہ میں باقاعدگی سے لے جایا کرتی تھیں۔

کلے خاندان کو شہر میں ایک معزز کنبہ کی حیثیت سے جانا جاتا تھا۔کیونکہ وہ لین دین میں حسن سلوک کے پابند تھے۔وہ جن دکانوں سے روزمرہ کی اشیاء خریدا کرتے تھے انہوں نے وہاں سے کبھی ادھار سودا خریدنا پسند نہیں کیا تھا۔وہ قرض نہیں لیتے تھے وہ ہر چیز نقد خریدا کرتے تھے۔

قاتلانہ ہاتھ اور خونی مقابلے

جو مارٹن کا خیال تھا کہ بارہ سال کی عمر ہی میں یہ پتہ چلتا تھا کہ باکسر کا سیس کلے بڑا ہو کر نہ صرف چیمپئن بلکہ محمد علی بھی بن جائے گا۔ وہ جس انداز سے مکہ رسید کیا کرتا تھا۔ اس انداز نے محمد علی کو آتش زیر پا کر رکھا تھا ٹانگوں کی جنبش پر نظر نہ ٹکتی تھی۔ یہ انداز حریف کے مکوں کی زد سے بچنے میں آگے چل کر ایک باکسر کیلئے بے حد معاون ہوتا ہے۔ اور بات یہ بھی ہوتی ہے کہ جب پاؤں میں حرکت و تیزی کا عمل ہو تو اسی سے ہاتھوں میں برق سی ضرب کی شدت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن یہ انداز ہاتھ و پا سیکھے نہیں آتا اور نہ اسے سکھایا جا سکتا ہے کیونکہ یہ قدرتی طور پر آتا ہے۔

جیسا کہ آگے چل کر اپنے انٹرویو میں محمد علی نے خود بھی کہا ہے کہ وہ مشہور باکسر شوگر رے رابنس کے انداز سے بڑا متاثر تھا۔ اسی انداز سے وہ لڑنے کی مشق بہم پہنچایا کرتا تھا۔ مگر شوگر رے کے انداز میں جو سقم تھا محمد علی اس سے پاک تھا۔ اتفاق ایسا ہے کہ شوگر رے کا کوئی مقابلہ ہمارے یہاں شاید ہی کسی کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہوگا۔ ہم نے جس بات کا ذکر کیا ہے یہ خالصتاً باکسنگ کا ایک تکنیکی پہلو ہے۔

جیسے مکوں کی ضربات سے حریف کو پرے دھکیلنا اور اس کے جسم پر مکوں کی اسی طرح بارش برسانا کہ حریف کی ٹھوڑی اوپر اٹھی رہ جائے۔ محمد علی اپنے انداز ضرب کا خود ہی موجد تھا یہی وجہ ہے کہ اس کا انداز مقابلہ زیادہ جوش و ولولہ پیدا کرنے والا اور زیادہ جرات مندانہ ہوتا ہے اور یوں لگتا ہے کہ وہ حریف کی تکہ بوٹی کئے بغیر نہ چھوڑے گا۔

کسی بھی کتاب کے طریقے پڑھ کر کوئی بھی باکسر لڑنا نہیں سیکھ سکتا کیونکہ یہ خالصتاً مہارت کا فن ہے اور مہارت علمی سے زیادہ عملی مظاہروں کے بعد ہی پیدا ہوتی ہے محمد علی اپنے طریقہ مہارت کا آپ ہی خالق ہے اور وہ باکسنگ کے داؤ پیچ جانتا ہے جو ایک ماہر اتالیق باکسنگ دوسروں کو سکھاتا ہے۔ محمد علی حریف پر حملہ کرتے

وقت اپنا دایاں پیر پیچھے کی طرف لے جاتا ہے اور بائیں پیر کو فوراً اس کی سیدھ میں یوں اٹھاتا ہے کہ دیکھنے والے کو لگتا ہے کہ شاید وہ اسے بائیں سے آگے کرے گا۔ مگر دیکھتے دیکھتے پنجے کے بل پر اس طرح گھوم جاتا ہے جس طرح گلوب سٹینڈ پر۔ اس مدافعت کی کوئی مزید وضاحت بہ جز اس کے اور کچھ نہیں کیجا سکتی کہ یہ محمد علی کا اپنا انداز ہے اپنی تکرارِ حرکت ہے اور اپنا طریق جنبش ہے۔

محمد علی باکسنگ میں اپنی صلاحیت پر اعتماد کو کافی نہیں سمجھتا تھا اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ باکسنگ مقابلہ دیکھنے کے لیے لوگوں کی دل چسپی کو کیسے مرکوز کیا جا سکتا ہے۔ یہ راز دل چسپی اس پر اب چیمپئن بن کر ہی نہیں کھلا وہ اس راز سے اس وقت آگاہ ہے جب وہ امیچور (شوقیہ) باکسر تھا وہ اکھاڑے میں اترنے سے پہلے رجزیہ اشعار پڑھنے لگتا تھا حالانکہ ان دنوں وہ رزمیہ شاعر نہ تھا۔ مگر وہ ایسی رجز پڑھتا کہ حریف دم بہ خود ہوتا ہی اس کی ذات تماشائیوں کی توجہ کا مرکز بن جاتی۔ اس دور کے چند رجزیہ اشعار کا ترجمہ درج ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

میں نے نیوز رپورٹر کو
لڑنے سے پہلے بتا دیا تھا
کہ یہ جوان قوی ہیکل
کچھ نہ کچھ کر دکھائے گا
کہ وہ حریف کو پہلے
جھٹکے میں چت کر ڈالے گا
تب یہ خبر اخبار میں چھپے گی
لیکن کسی کو میری پیش کوئی پر یقین نہ تھا
تب وہی رپورٹر مجھ سے اشاعت کے لیے
یہی نظم اور ملاقات کے لیے وقت مانگے گا

جو میں اسے دے دوں گا لیکن پھر میرے پاس
وقت نہ ہوگا کیونکہ وقت میرے ساتھ ساتھ چلنے
پر مجبور ہوگا اور لوگ میری رفتار دیکھ کر
اپنی گھڑیوں کا وقت درست کیا کرینگے۔

جب میں نے متانت کے ساتھ یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ مجھے باکسنگ میں کمال پیدا کرنا ہے تب میں اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ معمر لوگ یا وہ مختلف النوع لوگ جو میرے فن کے شیدائی ہیں میرے مقابلے کو دیکھ کر ویسے ہی جوش وخروش کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ جیسا میرے سکول ایام میں میرے سکول کے ہمراہی کیا کرتے تھے ثابت ہوا کہ میرا فن سب کے لئے یکساں کشش رکھتا ہے اور وہ ہر طرح کشش ثقل (رکاوٹ) سے بے نیاز ہے۔

لوگ تو مجھ سے اس وقت بھی یہی توقع رکھتے تھے جب کہ میں امیچور باکسر تھا کہ میں اپنے حریف کو پچھاڑوں گا۔ اب جب کہ چیمپئن ہوں وہ اس توقع کے ساتھ میرا مقابلہ دیکھنے آتے ہیں کہ میں حریف کو چت اور ناقد حضرات کا منہ بند کرڈالوں گا۔ میرے جیسے امیچور باکسر جو مقابلہ کرتے کرتے لہولہان ہوجاتے ہیں۔ مقابلہ جیت لیتے ہیں یا ہار بیٹھے ہیں لوگوں کو ان سے کوئی دل چسپی نہیں ہوتی اور کسی کو ہوتی ہے تو ان کے قریبی دوستوں یا اہل کنبہ کو، مگر میرے مقابلہ کے بعد اور دوران لوگوں کو میری ذات سے خصوصی دل چسپی ہوتی ہے کہ یونہی میں رنگ میں اترتا ہوں لوگوں کی نظر مجھ پر پڑتے ہی ان کے منہ کھل جاتے ہیں وہ خوشی سے نعرے مارنے لگتے ہیں اور ان کا جوش وخروش لمحہ بہ لمحہ بڑھتا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کا اشتیاق بھی بے لگام ہوجاتا ہے۔ میں اپنے ہر مقابلے کے بعد اور پہلے لوگوں کو یہی کچھ کرتے دیکھتا ہوں۔ انہیں اظہار مسرت کا حق ہے کیونکہ وہ پیسے خرچ کرکے ایک آدمی کی قوت مدافعت دیکھنے آئے ہوئے ہوتے ہیں۔ آپ نے ہاتھیوں شیروں کی

لڑائی دیکھی ہوگی سانڈوں کو بھڑتے دیکھا ہوگا۔ ان میں غالب ایک ہی آتا ہے۔ اور ان ایک میں سے میں بھی ہوں۔ ویٹ مڈل، لائٹ ویٹ ہیوی اور ہیوی ویٹ تھی۔ ان تمام مقابلوں کی نوعیت لائٹ ویٹ مڈل، لائٹ ویٹ ہیوی اور ہیوی ویٹ تھی۔ ان تمام مقابلوں کا نام گولڈن گلبز ٹورنامنٹ تھا۔ جو کناچکی میں منعقد ہوئے تھے۔ محمد علی نے اب تک ان میں سے چھ مقابلوں کو اعزاز کے ساتھ جیتا تھا۔

ان میں وہ اعزاز جو محمد علی نے اب تک ان میں سے چھ مقابلوں کو اعزاز کے ساتھ جیتا تھا۔ ان میں وہ اعزاز جو محمد علی نے ۱۹۵۹ء میں جیتا تھا وہ ہیوی ویٹ میں قابل ذکر اعزاز تھا جس کا نام نیشنل گولڈن گبز تھا۔ ایک دوسرے مقابلے کا نام نیشنل امیچور اتھلیٹک یونین ٹائٹل بھی تھا۔ اور یہ عجیب اتفاق تھا کہ محمد علی نے مذکرہ دونوں مقابلے ۱۹۶۰ء میں پھر جیت لئے تھے اور یہ بھی شریک ہوا تھا اور وہ اس ٹورنامنٹ میں کوئی مقام نہ حاصل کر سکا تھا۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ محمد علی نے باضابطہ طور پر سب سے پہلے ہیوی ویت مقابلوں میں شرکت (این اے اے) ٹورنامنٹ مقابلے کے بعد ہی کی تھی۔ اور اسے چیمپئن ہونے کا اعزاز دیا گیا تھا۔ اور اس وقت محمد علی کا وزن باکسنگ کے مروجہ اصول کے مطابق ۱۷۵ پونڈ ہی تھا۔ اسی وزن نے محمد علی کو اولمپکس کھیلوں کے ابتدائی یعنی آزمائشی اولمپک مقابلوں میں شرکت کا حق دار ٹھہرایا تھا۔ جو سان فرانسسکو کے سٹیڈیم کاؤ پیلس میں منعقد ہوئے تھے۔

اولمپکس آزمائشی مقابلوں میں شرکت اور محمد علی کے انتخاب کی روداری بڑی دل چسپ ہے۔ اگر اس کا ذکر نہ کیا جائے تو ہم سمجھتے ہیں کہ محمد علی کی ایک خوبی ہر معاملہ میں خطرہ مول لینے کی خوبی کے پس منظر سے محروم رہ جائیں گے۔

سان فرانسسکو کے اولمپکس آزمائشی مقابلوں میں شریک تمام کھلاڑیوں میں سے محمد علی ہی وہ واحد کھلاڑی تھا جسے اخبارات ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعے بڑی بڑی شہرت ملی تھی۔ اور اسے اپنے شعبہ باکسنگ کھلاڑی تھا جسے اخبارات ریڈیو اور ٹی وی

کے ذریعے بڑی شہرت ملی تھی۔ اور اسے اپنے شعبہ باکسنگ کے حریفوں پر یہ برتری بھی تھی جو کسی دوسرے کو حاصل نہ تھی کیونکہ وہ سب سے کم عمر باکسر تھا واضح رہے محمد علی کی عمر صرف اٹھارہ برس تھی۔ آزمائشی مقابلوں میں شریک کھلاڑیوں کو اکثر و بیشتر ان کے دیرینہ تجربات کی بنا پر شراکت کی اجازت دی گئی تھی مگر محمد علی کے پاس ایسا کوئی تجربہ بھی نہ تھا۔ یہ خوبی تھی یا خرابی تھی بڑی ولولہ انگیز صورت حال تھی۔ طے شدہ دن کے مطابق باکسنگ مقابلہ کی ابتدا ہوئی جونہی محمد علی کے پاس ایسا کوئی تجربہ بھی نہ تھا۔ یہ خوبی تھی یا خرابی تھی بڑی ولولہ انگیز صورتِ حال تھی۔ طے شدہ دن کے مطابق باکسنگ مقابلہ کی ابتدا ہوئی جونہی محمد علی کاؤ پیلس سٹیڈیم کے باکسنگ رنگ میں نمودار ہوا اس کے شائقین دیکھتے ہی چیخنے چنگھاڑنے لگے ان کے چہرے بُشروں سے ولولہ پھوٹ پھوٹ کر لاوے کی طرح بہہ رہا تھا۔ اور کان پڑی آواز سنائی نہ دے رہی تھی۔ مقابلے کے بعد منتظمین اس پُر جوش بلکہ پُر خروش صورت حال کو دیکھ کر یہ سمجھ بیٹھے کہ شاید تماشائیوں میں چاقو چل گئے ہیں۔ وہ تھوڑی دیر قبل ایک دوسرے سے سرگوشی کے انداز میں جو کچھ کہہ رہے تھے وہ چیخ چیخ کر کہنے لگے اس کان پڑی آواز کے فقدان پر تماشائی یہ سمجھے کہ منتظمین ہاتھا پائی ہو گئے ہیں۔ بہر حال محمد علی تتلی کی طرح لپکتا رہا کسی پر اس کی نظر نہ ٹکتی تھی۔ اس دلچسپ اور پر جوش صورت حال پر اسی روز اخبارات نے اپنے ایوننگ ایڈیشنوں میں بڑی سخت لے دے کی اور تماشائیوں کے اشتیاق و جوش کو خرابے کا نام دیا اور اس کا ذمہ دار تنہا ایک شخص محمد علی کو ٹھہرایا اور بتایا کہ ایک صاف ستھرے اور پاکیزہ کھیل کو محمد علی کی زبان درازی اور رجز یہ پڑھنے کی شیخیوں نے ایک شاندار ٹورنامنٹ کو آڑھتی کی دکان بنا کر رکھ دیا ہے۔ محمد علی اخبارات کی اس بے جا تنقید پر دل ہی دل میں بہت خوش ہوا اور سوچا کہ جو کام ایک کثیر افراد اجتماع نے کرنا تھا اسے ایک فردِ واحد نے کر دکھایا ہے۔

مقابلہ سیمی فائنل کے روز جو مارٹن جو کا محمد علی کا اتالیق بھی تھا۔ اس نے محمد علی کو

ٹورنامنٹ سے باہر نکالنے کی دھمکی دے ڈالی کہ اگر اس نے منہ بند نہ رکھا تو وہ اسے اولمپکس میں جانے کی اجازت سے محروم کرا دے گا۔ واضح رہے جیسا کہ ہم گذشتہ سطور میں یہ بات بار بار لکھ چکے ہیں کہ محمد علی کو اپنا کارنامہ بڑھ چڑھ کر بیان کرنے کی عادت تھی۔ مگر اب کے محمد علی نے جو مارٹن کو خوش دلی کے ساتھ اپنا منہ بند رکھنے کی یقین دہانی کرا دی۔

فائنل مقابلہ میں محمد علی کا سامنا امریکی آرمی کے باکسنگ چیمپئن ایلن ہڈسن سے ہوا۔ ہڈسن ایک دراز قد دبلا پتلا سیاہ فام شخص تھا۔ اور وہ بے رحم ہاتھ کا مالک تھا۔ امریکی اخبارات اسے قاتلانہ ہاتھ کا مالک سمجھتے تھے۔ وہ محمد علی کے سامنے یوں رعونت سے آیا جیسے شیر بکری کے سامنے آتا۔ پہلے راؤنڈ میں محمد علی نے ایلن ہڈسن کے سر پر ایسا وار کیا کہ وہ ہوا کے جھونکے کی طرح کئی قدم پیچھے لڑھکنے پر مجبور ہو گیا۔ دوسرے راؤنڈ میں محمد علی نے یہی کچھ کیا اس کے ساتھ ہی تماشائیوں میں ہاؤئیو کا کہرام بپا ہو گیا اور یقین ہو گیا کہ کھیل اپنے دوسرے راؤنڈ ہی سے خطرناک ہو چکا ہے۔ ہار جیت کا فیصلہ ابھی دم بھر میں سب کے سامنے ہو گا۔ تیسرے راؤنڈ میں محمد علی نے ہڈسن کے جبڑے پر وار کیا ہڈسن کی ٹانگوں میں لرزہ آنے لگا۔ محمد علی نے اپنے حریف کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھایا اچھل کر دوسری جانب ضرب رسید کی ریفری کو فوراً جیت کا فیصلہ محمد علی کے حق میں کرنے پر مجبور کر دیا۔ ہڈسن نے اٹھ کر احتجاج کیا مگر اب وقت گزر چکا تھا۔ مگر ایلن ہڈسن قاتلانہ ہاتھ کے مالک کی دونوں ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ لائٹ ہیوی ویٹ کے اس مقابلہ نے محمد علی کو یونائیٹڈ سٹیٹس اولمپک باکسنگ ٹیم کی نمائندگی کا اہل ثابت کر دیا یہی نمائندگی اسے روم اولمپکس میں لے گئی۔

اور اس نے سنٹرل ہائی سکول سے گریجوایشن کی تھی اور اسے اتھلیٹکس میں غیر معمولی کارنامے انجام دینے کی بناء پر لکھے پڑھے بغیر اعزازی طور پر ڈپلومہ دیا گیا

تھا۔اب جب کبھی محمد علی سے اس کی پڑھائی اور مطالعہ علمی کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے۔ میں سکول میں سب سے نکما لڑکا تھا پڑھائی میں بھی اور سکول سے متعلقہ دوسرے امور میں بھی اپنے ساتھ سکول میں کھانا تک نہیں لے جاتا تھا۔ مگر اس کے باوجود میں تمام آزمائشی امتحانات میں کامیابی حاصل کرلیا کرتا تھا۔

اب تک ہر مقابلہ میں جو مارٹن محمد علی کے ساتھ رہتا تھا مگر امریکہ کی طرف سے روم اولمپکس مقابلوں میں حصہ لینے کے لیے جو باکسنگ ٹیم بھیجی جانے والی تھی اب اس کے ساتھ جو مارٹن اپنی بیماری کی وجہ سے نہیں جارہا تھا۔اور یہ پہلا موقع تھا کہ محمد علی کو جو مارٹن کی رفاقت اور مشوروں کے بغیر روم جانا پڑا۔اور یہ بھی پہلا موقع تھا کہ محمد علی کو کم عمری میں عالمی نوعیت کے باکسنگ مقابلے میں سونے کا تمغہ ملا تھا۔

تمغہ جیتنے کا پس منظر محمد علی کی اُس دیرینہ عادت کا آئینہ دار تھا۔جس کے مطابق وہ جہاں کہیں بھی جاتا تھا اپنے گرد لوگوں کو مجمع لگالیا کرتا تھا۔یہی کچھ اُس نے روم پہنچنے پر کیا۔روم کے بارے میں یہ جو کہا جاتا ہے کہ روم جا کر وہی کچھ کرو جو رومن کرتے ہیں۔وہ اپنی صفات بیان کرتے نہیں تھکتے کہ سننے والے ان کے طول کلام سے تھک جاتے ہیں۔

محمد علی نے پہلے ہی دن اپنے کیمپ میں لوگوں کو یوں کھینچ لیا تھا جیسے ان لوگوں کو وہاں باندھ کر بٹھا دیا گیا ہو۔وہ چیخ چلا کر کہتا کہ تم سب یہ جلد ہی دیکھ لوگے کہ محمد علی اولمپکس چیمپئن کس طرح بن رہا ہے۔ظاہر ہے کھیل مقابلہ سے پہلے اگر کوئی کھلاڑی اپنی جیت کا اعلان کردے تو سننے والے کو شک بھی ہوسکتا ہے اور اس کی باتوں سے دل چسپی بھی۔اس طرز کلام نے پریس رپورٹرز اور پریس فوٹو گرافر جو ساری دنیا سے اولمپکس رپورٹنگ کے لئے جمع ہوتے تھے صرف محمد علی کے گرد جمع ہوگئے جب کہ امریکہ کے تمام دوسرے اتھلیٹ جو مختلف کھیلوں کی نمائندگی کے ترجمان بنا کر بھیجے گئے تھے پس منظر میں چلے گئے۔روم اولمپکس میں اگر امریکہ متعارف تھا تو

صرف ایک فردِ واحد کی ذات سے اور وہ تھا محمد علی ایک آدمی اگر اپنی ذہانت سے اپنی قوم و ملک کا نام روشن کرتا ہے تو وہ سب کے نزدیک پسندیدہ شخصیت کا مالک قرار پاتا ہے۔ مگر محمد علی کے مختلف سوانح نگار اس کی ایک ایک بات کا تجزیہ پیش کر رہے ہیں ان کا تجزیہ بعض اوقات بڑا مضحکہ خیز ہوتا ہے اور وہ بات کو بڑھا چڑھا کر اسطرح بیان کرتے ہیں کہ سراسر جھوٹ لگتی ہے۔

یہاں پانچ ڈالر کے اس منی آرڈر کا ذکر خالی از دلچسپی نہ ہوگا جسے جو مارٹن نے لوئیس ویلچ میں محمد علیکو بھیجا تھا۔ امریکہ کا ایک اتھلیٹ پیٹرول سپانکوس لکھتا ہے کہ محمد علی نے پانچ ڈالر کو پانچ ہزار ڈالر کی رقم بنا کر پیش کر دیا تھا۔ دوسرے باکسروں کو بتایا کہ دیکھو اس کے کوچ (اتالیق) جو مارٹن کو اس کا کتنا خیال ہے کہ اس نے اسے پانچ ہزار ڈالر بھیجے ہیں۔ پیٹرول سپانکوس کا خیال تھا کہ محمد علی کو شروع ہی سے بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنے کی عادت تھی۔

روم اولمپکس کے بارے میں محمد علی کی یادیں ہنوز تازہ ہیں۔

مجھے وہ تمام کھلاڑی جو روس جرمنی، پولینڈ، آسٹریلیا، میکسیکو اور سپین سے تعلق رکھتے تھے اچھی طرح یاد ہیں میں انہیں بلیاں سمجھتا تھا کیونکہ مجھے ایک ایک ساتھ پنجہ لڑانے کا اتفاق ہوا تھا۔ وہ اپنے اپنے ملک کی نمائندگی تو کر سکتے تھے مگر میرا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔

ہم سب لوگ اولمپک ویلج میں مقیم تھے۔ اور میں وہاں اتنا ہر دل عزیز تھا کہ میرے نام سے ہر کوئی آگاہ تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر میں اولمپک ویلج میں میئر کے لیے الیکشن لڑتا تو یقینی جیت جاتا، کیونکہ سو فیصد ووٹ میرے بیلٹ بکس میں ہی ڈالے جاتے۔

روم اولمپک کے کئی اتھلیٹ ساتھیوں کے نام مجھے اب بھی یاد ہیں۔ رالف بوسٹن، رافر جانسن اور ڈان بائڈ وغیرہ عورتوں کی طرف سے لمبی دوڑ میں حصہ لینے

کے لئے امریکہ کی ویلمار ڈولف آئی ہوئی تھی۔ ایک روز میں نے اس سے ازراہِ مذاق دوڑ لگانے کو کہا جب دوڑ شروع ہوئی تو وہ مجھے پیچھے چھوڑ گئی تب مجھے یقین ہوگیا کہ امریکی اتھلیٹ لڑکیاں سب کو پیچھے چھوڑ جائیں گی۔ جب مجھے پتہ چلا کہ اسوقت کے ہیوی ویٹ چیمپئن فلا ڈ پیٹرسن بھی اولمپکس کھیلیں دیکھنے روم آیا ہے اور خاص طور پر باکسنگ میں میرے ہاتھ دیکھنے کا مشتاق تھا ایک روز جب میں نے اسے تماشائیوں کے ہجوم میں دیکھا تو مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں نے اسے مخاطب کر کے کہا کہ پیٹرسن تم ایک روز دیکھو گے کہ میں کس طرح تمہیں پیٹتا ہوں کیونکہ میں عظیم ہوں فلا ڈ پیٹرسن میری بات سن کر مسکرایا اور جواب دیا۔

تم ایک اچھے لڑکے ہو اور اچھا لڑکا اپنی کوشش جاری رکھتا ہے۔

روم اولمپکس میں انیس ممالک کے باکسر لائٹ ہیوی ویٹ چیمپئن شپ میں حصہ لے رہے تھے۔ ان ممالک کے بعض باکسروں کا تجربہ دس سال سے بیس سال تک تھا۔ مقابلے کی سختی کا اندازہ غیر معمولی تجربہ رکھنے والے کھلاڑیوں کی شرکت سے ہوسکتا تھا۔

محمد علی کا پہلا مقابلہ بلجیم کے بان بیکاکس سے ہوا اور وہ قد آور اور گٹھے جسم کا مالک تھا۔ اور وہ پہلے ہی ہلے میں ہل کر رہ گیا۔ دوسرے راؤنڈ میں چت ہوگیا۔

دوسرا مقابلہ روس کے جناڈ لے شتکوف سے ہوا اور یہ پہلا موقع تھا کہ محمد علی کو زندگی میں ایک تجربہ کار اور منجھے ہوئے باکسر سے سامنا کرنا پڑا۔ جب دونوں حریف آمنے سامنے ہوئے تو دیکھنے والوں کو یہ کبوتر اور بلی کا مقابلہ لگتا تھا۔ اور انہیں اس میں کوئی ولولہ انگیز دلچسپی نظر نہ آتی تھی۔ مگر پھر محمد علی اس قابل ضرور تھا کہ حریف کو ناک چنے اگر نہ چبوا سکے تو کسی دوسرے راستے ضرور چبوائے گا۔ مقابلہ شروع ہوا صاف نظر آرہا تھا کہ محمد علی کی ضرب، اب کے ضرب کاری نہیں لگ رہی تھی وجہ یہی تھی کہ جناڈے شتکوف بہت تجربہ کار تھا۔ تام مقابلہ میں جیت محمد علی ہی کو

ہوئی اس کی وجہ محمد علی کی باکسنگ میں غیر معمولی صلاحیت تھی۔ روسی باکسر کو ہرانے کے بعد محمد علی میں بے پناہ اعتماد کامیابی عود کر آیا تھا۔ اس کے بعد محمد علی کا مقابلہ آسٹریلیا کے ٹونی ماڈیگان سے ہوا یہ مقابلہ بھی بڑا سخت تھا۔ محمد علی کی بے پناہ کارکردگی یہاں بھی اپنا ہاتھ دکھا گئی۔

(فائنل) آخری مقابلہ پولینڈ کے چیمپئن باکسر پائرٹ کاواسکی سے ہوا۔ کاواسکی بہت مشہور باکسر تھا اور اب تک دو سو تیس مقابلے جیت چکا تھا۔ اور اس کے ساتھ مقابلہ میں محمد علی کو ایک مشکل یہ پیش آرہی تھی کہ کاواسکی بائیں ہاتھ سے ضرب لگانے کا عادی تھا۔ محمد علی خاصا پریشان تھا۔ مگر وقفہ کے دوسرے راؤنڈ میں محمد علی نے تاک کر کاواسکی کے چہرے پر پے در پے مکے رسید کئے تو خون کے فوارے چھوٹ گئے جب مقابلہ ختم ہونے کی آخری گھنٹی بجی کاواسکی رنگ سے رسوں کے سہارے لڑکھڑا رہا تھا۔ اس کے ناک اور منہ سے خون جاری تھا۔

اس زرودار مقابلے پر تبصرہ کرتے ہوئے امریکہ کے مشہور رسالے سپورٹس اسٹریٹیڈ کے مبصر مارٹن کین نے لکھا۔

کہ اس مقابلہ کو اولمپکس کی تاریخ میں خونی مقابلے کے نام سے یاد کیا جائے گا۔

نوٹ: محمد علی کی غیر معمولی صلاحیت اور تجربہ و مہارت کا اندازہ ۱۹۵۶ء میں آسٹریلیا کے شہر ملبورن میں منعقد ہونے والے اولمپکس مقابلوں سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ وہاں محمد علی کا فائنل مقابلہ ہنگری کے لازولولوپاپ سے ہوا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پاپ ایک پوائنٹ سے جیت گیا تھا اور اس نے ۱۹۴۸ء اور ۱۹۵۶ء کے اولمپکس مقابلوں میں سونے کے تمغے جیتے تھے۔ اور جب وہ ملبورن مقابلہ میں محمد علی سے لڑنے اترا تھا وہ تین سو ساٹھ مقابلے جیت چکا تھا۔ جب کہ محمد علی اس وقت صرف اٹھائیس مقابلے لڑ چکا تھا (جیت چھ میں ہوئی تھی) مگر لازولو پاپ محمد علی کو صرف ایک پوائنٹ سے ہرا سکا۔ حالانکہ وہ بہت منجھا ہوا باکسر تھا جب کہ محمد علی اس کے آگے ایک کم عمر اور ناتجربہ کار باکسر لگتا تھا۔ اولمپکس کھیلوں میں شریک سوشلسٹ ممالک کے کھلاڑی باکسر بیشتر

پروفیشنل نہیں ہوتے۔ ان کھیلوں میں ایسے کھلاڑیوں یا اتھلیٹوں کو شامل کیا جاتا ہے جن کا متعلقہ شعبے میں دس سے بیس سال تک کا تجربہ ہو۔ ایسے شہ زور باکسروں کا پچھاڑنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ کی مدد محمد علی کے شاملِ حال رہی ہے۔

WWW.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

محمد علی کا خاندان

محمد علی کے والد کے باپ یعنی محمد علی کے دادا دونوں کے نام کا تعلق کناچکی کے معزز گھرانہ سے تھا۔محمد علی کے دادا کا نام کاسیس مرکولیس کلے تھا۔ جو امریکہ کی طرف سے کسی ملک میں سفیر بھی رہے تھے وہ سیاست میں حصہ لیا کرتے تھے انہوں نے امریکی حکومت کے نائب صدر کے عہدہ کے لئے انتخاب بھی لڑا تھا۔اگر چہ ناکام رہے تھے وہ ایک بڑے زرعی فارم کے مالک بھی تھے۔انہیں دی لائن آف وائٹ ہال یعنی وائٹ ہال کے شیر کا لقب بھی دیا جاتا تھا۔کاسیس موکولیس کلے کو سیاہ فام لوگوں کی غلامی کو ختم کرانے کا داعی اور وکیل بھی کہا جاتا تھا۔کیونکہ وہ نیگرو لوگوں کو غلام بنائے جانے کے سخت مخالف تھے۔اس مقصد کے لئے انہوں نے ۱۸۶۰ء میں شکاگو میں جمہوریت پسند لوگوں کا ایک بہت بڑا کنونشن بھی بلایا تھا اس کنونشن کے داعیوں میں ان کا نام سرفہرست تھا۔ واضح رہے اسی کنونشن کے شرکاء نے امریکہ کے ایک مشہور شخص آں جہانی ابرہام لنکن کو امریکہ کی صدارت کے لئے نامزد کیا تھا۔ جب کہ اسی کنونشن میں کاسیس مرکوسیس کلے کو ہنی بال کے خلاف نائب صدارت کے عہدہ کے لئے نامزد کیا گیا تھا۔کاسیس مرکولیس کلے نے پہلے بیلٹ میں قریبا سو ووٹ بھی حاصل کئے تھے۔اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ شاید انہیں نائب صدر منتخب کرلیا جاتا،مگر سیاہ فاموں کی غلامی کے مسئلے پر ان کے انتہا پسندانہ خیالات کی وجہ سے اس عہدہ کے لئے موزوں خیال نہ کیا گیا۔

بہر حال محمد علی کے آباؤ اجداد اپنے اعلے خیالات کی وجہ سے انسانی قدروں کے ترجمان تھے۔جیسا کہ ان دنوں خود محمد علی ہے۔وہ جن باتوں کی ترویج چاہتا ہے یہی ایک اچھے اور سچے انسان کا مقصد حیات ہوتا ہے وہی مقصد حیات محمد علی کے جد امجد کا مطمع نظر تھا۔ان میں سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ انسان کی ہر طرح کی غلامی کے خلاف تھے وہ نسلاً آئرش تھے۔

ابتدائی تعلیم

محمد علی نے ابتدائی تعلیم ورجینیا ایونیو گریڈ سکول میں پائی تھی ازاں بعد وہ ورجینیا کے سنٹرل ہائی سکول میں زیر تعلیم رہے۔ وہ ایک ذہین طالب علم کی بجائے ایک ہونہار باکسر کے طور پر زیادہ مشہور و متعارف ہوئے انہوں نے سکول سے یہی سیکھا تھا کہ ایک شدید ضرب کس طرح رسید کی جاتی ہے۔ چونکہ محمد علی نے سب سے پہلے اور سب زیادہ تربیت جو مارٹن کے جمنزیم میں حاصل کی تھی۔ اس لئے محمد علی پر آج تک جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان میں بیشتر باتیں جو مارٹن کے حوالے سے درج کی گئی ہیں۔ محمد علی جب باقاعدگی سے جو مارٹن جمنزیم میں مشق کے لئے جانے لگے تو ان کے والدین کو محمد علی کے مستقبل کی فکر تھی کہ وہ بڑا ہو کر کیا بنے گا مگر جب جو مارٹن انہیں یہ بتاتا کہ محمد علی ایک ایسا لڑکا ہے جس میں ایک عظیم باکسر بننے کی فطری صلاحیت موجود ہے اس کا ذہن باکسنگ میں خاصا زرخیز ہے تب انہیں یہ جان کر بڑی خوشی ہوتی۔ مگر ان کے والد کو محمد علی کے باکسر بننے پر کوئی خوشی نہ تھی۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ باکسنگ میں کامیابی حاصل کرنا بہت مشکل کام تھا۔ ظاہر ہے ایک باپ کا اپنے بیٹے کے بارے میں یہی رویہ ہوتا ہے کہ اس کا بیٹا بڑا ہو کر عزت آبرو کے ساتھ زندگی گزارے اور کوئی معقول کام کرے۔

باکسنگ میں نظم وضبط کی پابندی

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ایک باکسر خواہ عمر میں کم ہی کیوں نہ ہو اسے لاشعوری طور پر نظم وضبط کی پابندی کا احساس ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ شعوری طور پر کسی پابندی کو قبول نہیں کرتا۔ اگر ایک نوعمر لڑکا باکسر بننا چاہتا ہے وہ ہر روز جمنیزیم میں مشق کے لئے جاتا ہے اور مہارت حاصل کرتا ہے۔ لیکن اگر وہ اس کے ساتھ ہی تمباکو نوشی (سگریٹ سگار پائپ) شروع کر دے اور علی الصباح کی لمبی دوڑ لگانے سے اجتناب کرنے لگے وہ ایک ساتھ دونوں افعال کو نہیں کر سکتا۔ وہ نظم وضبط کی

پابندی کئے بغیر باکسر نہیں بن سکتا۔ اور نہ اس میں ایک باکسر بننے کا اعتماد پیدا ہو سکتا ہے۔ مگر محمد علی میں شروع ہی سے ایک بات بدرجہ اتم موجود تھی وہ نظم وضبط کے پابند تھے اور منہیات کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے کیونکہ وہ باکسنگ چیمپئن بننا چاہتے تھے۔ یہ بات شعوری اور لاشعوری طور پر ان کے ذہن میں پوری طرح سمائی ہوئی تھی۔

محمد علی کو یہ جو بچپن ہی سے اپنی بہادری جتانے کا خبط تھا اور وہ اپنے معرکہ آرا کارناموں پر اپنے جذبات نہ چھپا سکتے تھے اس کا برملا بلکہ چیخ چیخ کر اظہار کیا کرتے تھے اس جبلت سے انہیں دو بڑے فوائد حاصل ہوئے۔

پہلا یہ کہ وہ اس نعرے بازی سے مقابلہ سے پہلے ہی اپنے حریف اور اس کے حواریوں کو ذہناً شکست قبول کر لینے پر آمادہ کر دیا کرتے تھے۔

دوسرا یہ تھا کہ اگر وہ ایسا کرنے میں کامیاب نہ ہوتے تھے تب ان پر اپنی کارکردگی کی وہ چھپی خامی ظاہر ہو جایا کرتی تھی جن سے وہ اب تک آگاہ نہ ہوتے تھے۔ یہ طریق عمل انہیں اپنی خامیاں رفع کرنے میں معاون ثابت ہوتا تھا۔

اولمپکس کا دیوتا

محمد علی نے ۱۹۶۰ء میں روم اولمپکس میں سونے کا تمغہ حاصل کیا تھا۔تو اسوقت دنیا کا سب سے بہتر لائٹ ہیوی ویٹ امیچور باکسر چیمپن تھا۔امریکی اخبارات نے اسے اولمپکس کا دیوتا کا خطاب دیا تھا ظاہر ہے وہ اس خطاب کا اہل بھی تھا اور اس نے یہ ثابت کر دیا تھا۔

اب سونے کا تمغہ جو اس کے حریفوں کے حلق کا کانٹا بن کر محمد علی کے گلے میں لٹک رہا تھا جیت کی خوشی کے فورا بعد محمد علی روم کا کوچہ کوچہ گھوم گیا اور لوگوں کو بتانے لگا۔کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ میں عظیم تر ہوں۔کیا میں نے یہ ثابت نہیں کیا کہ میں عظیم ہوں۔محمد علی کی عظمت کا ڈنکا گویا سیزر کے روم میں بج گیا۔محمد علی نے تمغہ جیت کر اس رات اسے گلے میں پہن کر گزاری تھی اور دوسری قابل ذکر بات یہ تھی کہ انہی اولمپکس کھیلوں کے دوران مڈل ویٹ چیمپئن نینو دنولے نویتی جو ایک سفید فام باکسر تھا کو ٹیلی فون کیا تھا۔اور اسے کہا تھا۔

کہ بلاشبہ تم بھی ایک اچھے باکسر ہو

اس سے اگلے دن دنیا بھر کے اخباری نمائندے محمد علی سے اس کی جیت کے بارے میں تاثرات جاننے کے لیے جمع ہو گئے تھے۔ان میں روس کا ایک اخباری رپورٹر بھی تھا۔اس نے سوال کیا کہ سونے کا تمغہ جیت کر آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں۔

حیرت انگیز! محمد علی نے جواب دیا۔

سوال: (روسی رپورٹر) ایک ایسے ملک کے لئے آپ کا جیتا ہوا اعزاز کیا معنی رکھتا ہے جہاں ایک ہی میز پر بیٹھ کر آپ کسی سفید فام کے ساتھ کھانا نہیں کھا سکتے۔

محمد علی یہ سوال سن کر تیخ پا ہو گیا اور اس نے جواب دیا

آپ اپنے لوگوں (قارئین) کو بتا دیں کہ ہمارے پاس دردمند لوگوں کی کمی

نہیں ہے اور نہ مجھے آئندہ کی فکر ہے۔ کیونکہ امریکہ اب بھی دنیا کا بہترین ملک ہے۔

بعد میں محمد علی نے دوسرے رپورٹروں کو بتایا حیرت ہے کہ اس نے میرے جواب کو قلم بند نہیں کیا اور وہ کچھ لکھے بغیر چلا گیا۔

روم سے واپسی پر محمد علی اپنے آبائی شہر لوئیس ویلج کی بجائے نیو یارک پہنچا وہ جہاز سے اترتے ہی فتح مسرت سے چلانے لگا۔ وہاں بے شمار لوگ اس کے استقبال کے لئے موجود تھے ان میں جو مارٹن بھی تھا ایک اچھی خبر اس تک پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔ علاوہ ازیں دو قابلِ ذکر افراد اور بھی تھے جن میں لوئیس ویلج کا ایک لکھ پتی اور امیر تاجر جنہیں محمد علی کے پیشہ وارانہ کھیل سے دل چسپی تھی۔

ہوائی اڈے سے محمد علی لوگوں کے انبوہ کثیر کی معیت میں شہر کی طرف روانہ ہوا۔ جو مارٹن نے نیو یارک میں گھمانے پھرانے کا پہلے ہی پروگرام تیار کر رکھا تھا۔ محمد علی کو نیو یارک کے ترقی یافتہ محلوں، گلیوں میں جلوس کی صورت میں پھرایا گیا۔ ہر طرف لوگوں کا بلا تفریق نسل و رنگ اجتماع تھا۔ میں گرین وچ بھی گیا اور وہاں امریکہ کی معاشرت بیزار نسل بیٹنک کو دیکھا اور ان دیوانہ مباش لوگوں کو بھی دیکھا جن کے بارے میں میں نے بہت کچھ سن رکھا تھا۔ وہ میری فتح میں برابر کے شریک تھے۔ اس کے بعد میں عظیم باکسر شوگر رے رابنسن کو ملنے گیا ازاں بعد میں نے نیو یارک کے مشہور چوک ٹائمز سکوئر کا رُخ کیا گولڈ میڈل بدستور میرے گلے میں لٹک رہا تھا۔ ٹائمز سکوئی کے قریبی ایک ڈیپارٹمنٹل سٹور میں بھی گیا میں نے کچھ اخبارات کو دیکھا یہ ایوننگ ایڈیشن تھے۔ ان میں سے بیشتر کی بڑی سرخیاں میرے بارے میں تھیں۔ جو سب کی سب جھوٹ کا پلندہ تھیں کیونکہ ان میں بتایا گیا تھا کہ میں نے فلا ڈپیٹرسن سے کوئی معاہدہ کر لیا تھا۔

تب میں نے گھر پہنچ کر ایک تقریر کے ذریعے لوگوں کو اصل صورت حال سے

آ گاہ کیا اور بتایا تھا کہ نیویارک کے جھوٹے اخبارات جھوٹ کو پیر لگا کر چلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ بہر حال اس گشت کے دوران میں نے نیویارک کے میئر وگنر سے ملاقات کی تھی۔ کیونکہ میرے لیے یہ ایک موقع پیدا ہوا کہ میں اپنی فتح کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچاؤں اور ان کا ذہنی قرب حاصل کروں۔

پھر نیویارک ہی کے ایک مشہور عالم ہوٹل ورلڈورف اسٹوریا میں جو مارٹن نے میرے لئے ایک سیوٹ مخصوص کرا دیا تھا۔ وہیں محمد علی نے اس ہوٹل کے کروڑ پتی مالک ولیم رینالڈز سے بھی ملاقات کی۔ یہ شخص بہت ہی امیر کبیر تھا اور ایک تمباکو کمپنی کا بھی مالک تھا۔ دولت کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹنے کی جبلت سے میں اس ملتے ہی آ گاہ ہو گیا تب میں نے لوہا گرم دیکھ کر فوراً ہی چوٹ لگائی جو صحیح نشان پر لگی۔ میں ولیم رینالڈز کو بتایا کہ آپ جس اولمپک ہیرو سے اب مل رہے ہیں۔ شاید وہ کل کو عالمی ہیوی ویٹ چیمپئن بھی بن جائے۔ لیکن اس کے لیے اس کی پشت پر ڈالروں کے بنڈل ہونے چاہئیں۔ ولیم رینالڈز میری بات سُن کر دم بخود ہو گیا۔ اس نے نہ صرف ہوٹل کے قیام و طعام کا بل ادا کیا بلکہ اس میں میرے والدین اور بھائی کے لیے قیمتی تحائف بھی تھے۔ ان تحائف کی مالیت چار سو ڈالر تھی۔ ولڈروف کے قیام میں ایک دن میں پانچ سٹیک (گوشت کے انجمادی ٹکڑے) کھاتا تھا۔ ایک ٹکڑے کی قیمت ساڑھے آٹھ ڈالر ہوتی ہے اور میں وہاں چار دن مقیم رہا۔

ولیم رینالڈز سے ابتدائی بات چیت مفید رہی اس کے بعد میں جو مارٹن کے ساتھ اپنے گھر میں لوئیس ویلج کے لئے روانہ ہو گیا۔

لوئیس ویلج کے ہوائی اڈے پر بے شمار مشتاقان دید کے علاوہ میرے والد بھی موجود تھے۔ جو میرے استقبال کے لئے آئے ہوئے تھے اور یہ پہلا موقع تھا کہ میرے والد نے میرے پیشہ باکسنگ کے بارے میں گہری دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔ طیارے سے اترتے ہی میں ہجوم کی طرف بڑھا یوں لگ رہا تھا کہ جیسے شہنشاہ کے جلو

میں اس کی رعایا پا پیادہ دوست بستہ چلی جارہی ہو پولیس کی بے شمار گاڑیاں اور افراد میری محافظت پر مامور تھے۔اس کے بعد میرا جلوس جو کاروں میں سوار تھا۔ میری مادر علمی سینٹرل ہائی سکول کی عمارت کے قریب آ کر تھم گیا اور وہاں بے شمار طالب علم خوشی ومسرت کا اظہار کرنے کے لئے چونٹیوں کی طرح موجود تھے۔طلباء نے بے شمار تقاریب کے انعقاد کا اہتمام کر رکھا تھا اور جگہ بہ جگہ مجھے خوش آمدید کہنے کے لئے طغرے آویزاں تھے۔کشاں کشاں محمد علی کو سکول کے بڑے ہال میں لے جایا گیا۔وہاں پہنچ کر محمد علی نے طلباء سے خطاب کیا اور ان کے نعرہ ہائے تحسین و آفرین پر ان کا شکریہ ادا کیا۔

یہ وہی لڑکا محمد علی تھا۔جس نے وعدہ کیا کہ وہ عظیم باکسر بنے گا اور اپنی عظمت کا اعتراف ساری دنیا سے کرائے گا۔

لوئیس ویلج کے درودیوار اب تک شاہد ہیں کہ انہوں نے آج تک اتنا بڑا استقبال نہیں دیکھا تھا۔جو اب محمد علی نے کر دکھایا تھا۔

محمد علی نے ۳ مارچ ۱۹۶۴ء میں اسلام قبول کیا تھا۔تب امریکی اخبارات نے قبول اسلام کے واقعہ پر بڑا اعتراض کیا۔اور بتایا کہ محمد علی امریکہ کے باغیوں سے تعاون کر کے دہشت پھیلانا چاہتا ہے۔ان اخبارات کے نزدیک اسلام قبول کر لینے سے گویا ایک انسان باغی ہو جاتا ہے۔حالانکہ اسلام تو یہ بتاتا ہے۔اگر ایک باغی اسلام قبول کرے تو امن پسند بن جاتا ہے۔محمد علی نے اسی بات کو اتنی بار دہرایا ہے کہ اگر اس تکرار لفظی کو یکجا کر دیا جائے تو صرف ایک ہی موضوع پر دو ہی فقروں کی ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔

محمد علی اب تک جو کچھ اس صریح الزام کے بارے میں کہتے آئے ہیں اور کہہ رہے ہیں وہ ان ہی کی زبان میں پڑھ لیجئے۔

میں نے امریکہ اس ملک کے لئے گولڈ میڈل جیتا ہے۔اور میں ہیوی ویٹ کا

اعزاز کسی رسائی کے بغیر حاصل کر چکا ہوں اور میں کئی برس سے چیمپئن چلا آرہا ہوں۔

حقیقتا میں بے حد صاف دل اور پُر امن شہری ہوں۔ میں نے امریکہ میں امن عامہ کے خلاف کبھی کوئی مسئلہ پیدا نہیں کیا۔ اب میرے مخالف میری جو مذمت کر رہے ہیں ان کا انداز بُزدلانہ ہے۔ اگر ان میں جرات مندانہ ہے تو وہ کھل کر بات کریں۔ کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ اثر و رسوخ رکھتے ہیں۔ مزید یہ کہ میں نہ تو شراب پیتا ہوں اور نہ سگریٹ نوشی کرتا ہوں۔ اور نہ حرافہ عورتوں کے پیچھے پھرتا ہوں۔ میں باکسنگ رنگ میں اپنے حریفوں کو منفی حربوں سے زیر نہیں کرتا۔ میں کبھی جیل نہیں گیا اور نہ میں اپنے پاس پستول رکھتا ہوں۔ میں دنیا بھر کے نوجوانوں کے لئے ایک مثال ہوں۔

محمد علی سے انٹرویو

امریکہ کا مستقبل تاریک ہے؟

عالمی ہیوی ویٹ چیمپئن جناب محمد علی کو کون ایسا ہے جو نہ جانتا ہو۔ رنگ نسل اور قومیت کا لحاظ کئے بغیر جو شخصیت سب کو پسند اور سبھی کو اس کی باتیں مرغوب خاطر ہوں۔ ہم مشرق والے ایسے شخص کو مسیحا کہتے ہیں۔ اب پچھلے دنوں ۳ دسمبر ۷۵ء کو جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ معذور اور ضعیف العمر افراد کی امداد کے لئے نیویارک میں یہودیوں کی طرف سے قائم کئے گئے ادارہ کے ذمے ایک لاکھ ڈالر کا قرضہ واجب الادا ہے تو انہوں نے ازراہِ انسانی ہمدردی سے اپنی جیب سے ادا کر دیا۔ اور یہ انسانی ہمدردی کی نادر مثال ہے۔

جناب محمد علی کی پے در پے کامیابیوں کو دنیا بھر کا پریس نمایاں جگہ دے رہا ہے۔ امریکی جرائد تو علی کی شخصیت کو American Legen غیر معمولی طور پر شرف قبولیت رکھنے والی امریکی داستان قرار دے رہے ہیں۔

منیلا میں جب سے علی نے اپنے حریف جوفریزر کو پچھاڑا ہے۔ تب سے محمد علی کی ذات میں پہلے سے کہیں زیادہ دلچسپی لی جا رہی ہے۔ ایک بار یورپ کی چیخ چنگھاڑ کر بے سُرے گانے بجانے والی منڈلی جنہیں بٹیلز کہا جاتا تھا کے رنگ لیڈر جون لیلن نے یہ دعوی کیا تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ سے بھی زیادہ مشہور ہے۔ اس کے گائے ہوئے گیت بائبل سے بھی زیادہ سُنے اور پڑھے جاتے ہیں۔ جون لیلن کے اس دعوے یا جسارت پر جناب پوپ پال پنجم نے ناپسندیدگی کا اظہار بھی کیا تھا۔

محمد علی میں بسا اوقات دعوی کرتا ہے مگر وہ ایسی کوئی جسارت نہیں کرتا جس سے بنی نوع انسان کے معتقدات کو دھچکہ لگ سکتا ہو۔ امریکہ میں گزشتہ نومبر محمد علی نے اپنی خودنوشت سوانح حیات جس کا نام عظیم تر محمد علی ہے۔ متعارف کرائی ہے۔ اس

کے ساتھ ان کے بارے میں ایسی ایسی باتیں منظر عام پر آ رہی ہیں کہ دنیا میں تنہا ایک شخص ایسا تصور نہیں کر سکتا۔ عام طور پر بعض امریکی اخبارات اسے جان وین (ہالی وڈ کا معروف اور قدیم اداکار) سے زیادہ شہرت یافتہ شخص لکھتے ہیں۔ جب کولمبیا پکچرز ہالی وڈ کے پروڈیوسروں نے محمد علی کی زندگی پر علی کے نام سے فلم بنانے کا اعلان کیا۔ تب محمد علی نے ایک پریس کانفرنس میں اس فلم کے بارے میں کہا میں جان وین اور رچرڈ برٹن سے بھی بڑھ کر اداکاری کا مظاہرہ کروں گا۔ پوپ پال سمیت ساری دنیا اسے دیکھے گی، جب وہ یہ بات کر رہے تھے کانفرنس میں ہالی وڈ کے چوٹی کے چند اداکار وارن بیٹی، جیمز کالیہان اور میکائل کنے بھی محمد علی کے ساتھ بیٹھے تھے۔

پھر انہوں نے کہا کہ میں نے سیاست سیکھنا شروع کر دی ہے۔ اور ممکن ہے میں امریکہ کا پہلا سیاہ فام صدر بن جاؤں وہ یہ بات ریاست الی نائس کے سینیٹر چارلس پُرسی کی موجودگی میں کہہ رہے تھے جنہوں نے محمد علی کو اپنے گھر مدعو کیا تھا۔ چارلس کا کہنا ہے کہ وہ محمد علی کا کوئی بھی باکسنگ مقابلہ دیکھے بغیر نہیں رہ سکتے۔

منیلا مقابلہ کے بعد محمد علی کے ساتھ مقابلہ کرنے کے بارے میں یورپ اور امریکہ کے مکہ بازوں کے نام سننے پڑھنے میں آ رہے ہیں۔ شروع نومبر میں یہ خبر آئی تھی کہ آئندہ مقابلہ ہنری کلارک سے وفاقی جمہوریہ جرمنی یا بہاماز میں ہوگا۔ جب کہ ہانگ کانگ کے مشہور فلم پروڈیوسر جناب ڈون جو مشرق بعید کے دس ممالک میں سٹوڈیوز کے مالک ہیں۔ منیلا مقابلہ کے منصرم بھی یہی تھے کا کہنا ہے لوگوں کو محمد علی کے ساتھ جارج فورمین اور کن نارٹن سے مقابلے دیکھنے کا بھی اشتیاق ہے۔ واضح رہے یہ دونوں باکسر علی سے شکست کھا چکے ہیں۔ یورپی اور امریکی ممالک میں کچھ رسائل ایسے ہیں جنہیں نیوز میگزین (خبر نامہ کی بجائے) ویوز میگزین نظر نامہ کہنا چاہیے۔ ایسے رسائل بین الاقوامی شہرت یافتہ شخصیتوں خواہ ان کا

تعلق زندگی کے کسی میدان سے ہو یا کسی کھیل سے ہو۔ یعنی سیاست کے میدان سے ہو یا کھیلوں کے اکھاڑے سے ہو۔ ان کے خیالات کو من وعن شائع کرتے ہیں۔ اور اصل میں ایسے رسائل کو مقصود یہ ہوتا ہے کہ زندگی اگر چہ اس کا تعلق گھنی آبادی سے پُر کسی بڑے شہر سے ہو یا کسی ویرانے کے پُر ہول روز وشب سے ہو۔ مقصد ان انتقاد خیال ہوتا ہے۔ اب امریکہ کے مشہور رسالہ پلے بوائے نے جناب محمد علی کا انٹرویو پیش کیا ہے جو Revue بھی ہے اور Review بھی ہے۔ بہر حال جو کچھ بھی ہے اسے امریکی مقالہ نگار جناب لارنس لینڈ رمین نے قلم بند کیا ہے۔ اس میں موجودہ دنیا کے واقعات کا تماشا بھی ہے۔ اور مضحکہ بھی ہے اور ہر بات مکالمہ کی صورت میں ہے۔ جو مکالمے لارنس لینڈ رمین اور محمد علی کے درمیان ہوئے ہیں۔ ان کا ایک ایک لمحہ محفوظ موجود ہے۔

گیارہ سال گزر گئے ہیں۔ جب محمد علی سائل بالخصوص امریکی معاشرے کے بارے میں کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر اظہارِ خیال کیا تھا۔ ان دنوں انہیں کاسیس کلے کے نام سے یاد کیا تھا۔

سوال: اگر آپ محمد علی نہ ہوتے تب گیارہ سال پہلے والا کاسیس کلے آج کل کیا کرتا

جواب: کاسیس کلے اب فرانس میں مشق کر رہا ہوتا جیسا کہ عام طور پر فرانسیسی کرتے ہیں۔ انہوں نے مجھے رہائش و خوراک کی مفت سہولت دی ہوتی جو ریویرا میں بھی ہو سکتی تھی اور وارسائی باغوں میں بھی اگر یہ ہوتا میں یقیناً جمیکا کے کسی ہوٹل میں افریقی ماکولات ومشروبات سے لطف اٹھا رہا ہوتا۔ مگر اب جب میں کسی عورت کو ملتا ہوں تو میں اسے نیکی کی باتیں سکھاتا ہوں کیونکہ اب میں محمد علی ہوں۔ کاسیس کلے ہوتا تو اسے لے کر کسی بڑے ہوٹل میں بیٹھ کر گپ شپ لڑا رہا ہوتا۔

اگر میں آج کاسیس کلے ہوتا تو میں بھی اُس مشہور سیاہ فام شخصیت فلائڈ پیٹرسن

کی طرح ایک سفید فام لڑکی کا شوہر ہوتا مگر شاید پھر سیاہ فام لوگوں کے مسائل کو موجودہ طریق کے مطابق نہ تو پیش کرسکتا اور نہ ہی سیاہ فام لوگوں کی نمائندگی کا سزاوار ٹھہرتا۔ اگر مجھے فلائیڈ پیٹرسن کی سی شہرت نصیب نہ ہوتی۔ تب پھر میں بھی ایک دوسرے سیاہ فام امریکی گوئیے چارلی پرائڈ جس نے اپنی ہم نسل سیاہ فام عورت سے شادی کر رکھی ہے کی طرح نکبت و خواری کی زندگی گزار رہا ہوتا جس طرح ان دنوں چالی کے فن کا ذکر اخباروں میں نہیں آتا۔ میرا ذکر بھی دیواروں کے اندر رہتا باہر کچھ نہ آتا چارلی پرائڈ کے علاوہ ان سیاہ فام امریکی باشندوں والٹ چیمبر لین کی طرح گمنام ہوتا۔ کیونکہ ان لوگوں نے نیگرو ہونے کے باوجود نسلی امتیاز کی پالیسی کے بارے میں کبھی لب کشائی نہیں کی نہ کبھی سیاہ فام لوگوں کی حق رسی کے لئے آواز اٹھائی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے ہم نسل لوگوں میں کوئی مقام و مرتبہ نہیں رکھتے دراصل خطرہ مول لینے ہی سے ایک آدمی مرتبہ پاتا ہے اور میں وہی آدمی ہوں۔

اگر میں آج رات کا سیس کلے ہوتا تو نیویارک کے سب سے مہنگے ہوٹل ولڈورف اسٹوریا کے سیوٹ میں ٹھہرتا۔ جہاں مجھے عیش و راحت کا سامان مہیا ہوتا۔ اور ان چہروں کی رفاقت میسر ہوتی جنہیں عام لوگ خواب میں بھی نہیں پاتے۔ چونکہ میں محمد علی ہوں۔ اس لئے نام خدا کے سوا میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ مگر اس کے کرم سے میرے پاس سب کچھ ہے۔

سوال: کیا کاسیس کلے یہی کچھ کرتا رہتا؟

جواب: ظاہر ہے یہی کچھ ہوتا

سوال: میرا خیال ہے آپ وہ نہ ہوتے جیسا کہ کہا جاتا کہ آپ بڑے وہ ہیں

جواب: مسلمان ہونے سے پہلے ایک سفید فام لڑکی سے میری دوستی رہی ہے۔ آپ حیران ہوں گے کہ یہ رفاقت دو صرف یوم رہی۔ چونکہ میں مسلمان نہیں تھا

اس لئے نامحرم عورت سے تعلق کو برا نہیں سمجھتا تھا۔ اب میں مسلمان ہوں اور نامحرم عورتوں سے تعلق کوئی گناہ سمجھتا ہوں۔ میرے نزدیک نامحرم عورتوں سے تعلق مصیبتوں کی جڑ ہے۔ مگر ایک مرد یہ بات نہیں سمجھتا۔ اگر میں سیاہ فام ہونے کے ناطے سے اپنے ہم نسل لوگوں کی بات کروں۔ جنہوں نے سفید فام عورتوں سے شادیاں اور سفید فام لڑکیوں سے یارانے گانٹھ رکھے ہیں۔ وہ ان تعلقات کو بُرا نہیں جانتے۔ شاید ان کا خیال ہو۔ چونکہ وہ ان سے محبت رکھتے ہیں اس لئے یہ بُری چیز نہیں۔ یقیناً محبت بری چیز نہیں۔ مگر محبت اور ہوس میں فرق ہونا چاہیے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ جب میں اپنے ہم نسل لوگوں کے محلے سے گزر رہا ہوتا ہوں تو انہیں اپنی حالت پر شرم آتی ہے۔ کیونکہ ان کے پاس فخر کرنے کی کوئی بات نہیں ان کی ہر حرکت مکروہ، ان کا ہر قدم غلط، یہی وجہ ہے کہ انہیں سرد مہری کے ساتھ ہر مقام سے دھکیلا جاتا ہے۔ جب انسان کو اپنی ذات کا عرفان حاصل ہو جاتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ دنیا کیسی احمقانہ چیزوں کے حصول میں لگی ہے۔

میں سفید فام عورتوں کے پیچھے پھر کر انکے سر اپنے ناپنے میں یقین نہیں رکھتا۔ میرے نزدیک یہ فضول چیز ہے، میں شادی شدہ مرد ہوں اور اپنی بیوی سے محبت رکھتا ہوں۔ کیونکہ اخلاق سب سے بڑی قوت ہے۔

سوال: کیا خیال ہے آپ کی شخصیت امریکی اساطیر کا حصہ نہ بنے گی؟

جواب: امریکہ کے افق پر محمد علی کی داستان تو پہلے ہی لکھی جا چکی ہے۔ اور اس کا حصہ بن چکی ہے۔ کیونکہ اسے میں نے لکھا ہے اور سب جانتے ہیں کہ میں کون ہوں۔

یہ اس محمد علی کی داستان ہے اُس جیسا کوئی جری نہ ہوگا۔

جو بہت زیادہ باتیں کرتا ہے۔ شاید اس لئے کہ وہ اپنے حریفوں کو تیا پانچہ بھی زیادہ کرتا ہے۔ اس کے طاقتور مکے کی شدت ضرب کو دیکھ کر آنکھیں چندھیا جاتی

ہیں ۔کیونکہ باکسنگ کا کھیل ایک فرد کو جسمانی اور ذہنی طور پر مفلوج کر سکتا ہے ۔جب مقابلہ فورمین جیسے دیوہیکل سے جا پڑتا ہے تو ہر ممکنہ حل مشکل و ناممکن نظر آنے لگتا ہے۔

وہ محمد علی ہیوی ویٹ چیمپئن شپ جس کا مقدر ہے وہ میدان میں بے جگری سے لڑتا ہے۔وہ مکوں کی بوچھاڑ میں بھی تحمل و برداشت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔

جب کوئی باکسر اس سے لڑنے کا معاہدہ کرتا ہے تو اس کی مالی اور جسمانی قدر و منزلت بڑھ جاتی ہے۔بیمے کی رقوم میں اضافے کی صورت میں اور عام لوگوں کے دلوں میں۔

علی دائیں بھی لڑتا ہے اور بائیں بھی لڑتا ہے کیوں کہ وہ ہر محاذ پر لڑ سکتا ہے۔

اگر وہ کسی کو معمولی طور پر دھکیل دے تو وہ پھر اُٹھ نہ سکے۔جب علی کا حریف فرش پر چت گرتا ہے وہ تب تک نہیں اُٹھ سکتا جب تک کہ ریفری دس تک نہ گن لے۔

میرا حریف دعا کرتا ہے پھر کبھی اس کا علی سے سامنا نہ ہو۔اس میں کوئی شک نہیں کہ میں دنیا کا واحد چیمپئن ہوں۔جس کا کوئی ثانی نہیں۔

جب ایک بار پیش گوئی کر دیتا ہوں۔تو میرا حریف اس کے مطابق پچھاڑ کھا جاتا ہے۔میں نے دنیا کے باکسروں اور چیمپئنوں کو پیشگی بتا دیا تھا کہ میں ورلڈ ہیوی ویٹ کا ٹائٹل حاصل کر لوں گا۔اور ۱۹۶۴ء میں میں نے اسے حاصل کر لیا تھا۔

جب میں تین کہتا ہوں تو اس کا مطلب تیسرا ہوتا ہے۔میرے کھیل کے بارے میں شرط نہ رکھئے کیونکہ میں جو کہتا ہوں پورا کر کے دم لیتا ہوں آپکو یاد ہے جب میں نے سونی لسٹن کو شکست کی پیش گوئی کر دی تھی۔اور وہ اپنا ٹائٹل کھو بیٹھا تھا۔میں نے اسے ایسی ضربات لگائیں کہ وہ بھول گیا کہ اکتوبر اور نومبر گنتی کے لحاظ سے سال کے کون سے مہینے ہیں۔

اے میرے عزیز! تو جان اگر میں تجھے یہ بتادوں کہ ایک مچھر قوی الجثہ فرد کو دھکیل سکتا ہے۔ یہ مجھ سے نہ پوچھ کہ کیسے۔

سوال: بہت سے لوگ ہماری طرح حیران ہیں کہ نثر میں آپ جو شاعری کرتے ہیں۔ کیا آپ نے منظوم مکالموں کا پہلے انتخاب کر رکھا ہوتا ہے۔

جواب: یقیناً لیکن میں فی البدیہہ بھی بات کرسکتا ہوں۔ مگر مجھے پتہ نہیں کہ شعر کیا ہوتا ہے۔ آپ کو یہ معلوم ہوگا۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کی طرف سے مجھے پروفیسر کی پیش کش کی گئی تھی۔

میں عام طور پر لکھنے کا کام رات کے وقت کرتا ہوں کیونکہ رات گئے تک مجھے پھر کسی کی فون کال آنے کا خدشہ نہیں ہوتا۔ میں فون کی گھنٹی بجنے پر بہت پریشان ہوتا ہوں۔ رات کا وقت پُرسکوت ہوتا ہے۔ ملاقاتیوں کی مداخلت کا احتمال نہیں ہوتا۔ بڑے بڑے ادیب اور شاعر رات کے وقت ہی بہتر طور پر لکھ سکتے ہیں۔ میں رات کے وقت بہت کم سونے کا عادی ہوں۔ اور صبح دو بجے کے قریب بستر سے اُٹھ جاتا ہوں۔ اور اپنا کام شروع کرلیتا ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ میں بین الاقوامی شہرت یافتہ انسان ہوں لوگوں سے ملنا پسند کرتا ہوں۔ کیونکہ حرکت میں برکت ہے۔ حرکت میری زندگی ہے۔ میں دیہات کی نسبت شہروں کا گرویدہ رہا ہوں مگر اب مجھے جب کسی شہر میں جانے کا موقع ملتا ہے۔ ہجوم مرداں کو دیکھ کر پھر میں ویرانے کی راہ لیتا ہوں۔ آخر کار اپنے ٹرینگ کیمپ میں پہنچ جاتا ہوں۔ یہ درست ہے کہ شہر کا ہنگامہ نیون سائن کی چکاچوند روشنیاں، شور وغل اور لوگوں کا انبوہ انسان کو دیوانہ بنا دیتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ سب کچھ زینت چمن ہے مگر میرے لئے ان میں کشش نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنا ٹرینگ کیمپ پنسلوانیا کے ہنگاموں سے دور بنایا ہے یہ ایک اچھی رہائش گاہ بھی ہے۔ اور وہاں تازہ ہوا صاف پانی پرسکون ماحول اور مناظر فطرت کی بھرمار بھی ہے۔ اگر میں نے اپنا ٹرینگ کیمپ شہر

میں بنایا ہوتا تو میں وہاں نہ مشق کرسکتا اور نہ کوئی نظم لکھ سکتا۔

میں تمام دن کچھ نہ کچھ لکھتا رہتا ہوں۔ مشق کے دوران بھی کاغذ قلم میرے قریب دھرے ہوتے ہیں۔ اور جو نظم یہاں قلب پر وارد ہوتی ہے۔ اس کا کوئی جواب نہیں ہوسکتا۔

سوال: آپ یہ کیونکر کہہ سکتے ہیں؟

جواب: میری نظمیں سچائی کی عکاس ہیں۔ اور انہیں آپ سچ ہی کہہ سکیں گے۔ اور سچ سے بہتر دنیا میں اور کیا شے ہے۔ اور سچ کیا ہے اس کا اندازہ آپ کو میری درج ذیل کی نظم پڑھ کر ہو جائے گا۔ سچ کا چہرہ واضح ہوتا ہے۔ کیونکہ سچ کو مسخ نہیں کیا جاسکتا سچ کی آنکھیں روشن ہوتی ہیں۔

سچ کے لب اکٹھے کھلتے ہیں، سچ کا سر اونچا ہوتا ہے
سچ ہر میدان میں سینہ سپر رہتا ہے، سچ کی نظر سیدھی ہوتی ہے
سچ کو کبھی ڈر نہیں ہوتا اور نہ شک وشبہ
سچ صبر کا منتظر ہوتا ہے
سچ کے الفاظ دل میں اتر جاتے ہیں سچ کی آواز گہری ہوتی ہے
سچ کا اصول بڑا سادا ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو گے
سچ کی روح شعلہ بار ہوتی ہے۔ سچ کا دل گرم ہوتا ہے۔
سچ کا ذہن صاف ہوتا ہے اور اتنا مستحکم کہ کوئی طوفان اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔
حقائق سچ کے سائے ہیں، سچ گناہوں پر حاوی ہے۔
زندگی کی عظیم جدوجہد میں آخر کار سچ کی فتح ہوتی ہے۔
سچ کا تصور قابل احترام ہے۔ دانائی کی بات سچے انسان کے لبوں پر رہتی ہے۔

چاند ستارے سچ کی علامت ہیں۔سچائی کی روح مظہر خداوندی ہے۔

سچ ہر انسان کے اندر چھپا بیٹھا ہے۔اس کا ماضی و حال غیر قانونی ہوتا ہے۔

سچ کی قوت سے استقامت حاصل ہوتی ہے۔

سچ آخر تک غالب رہتا ہے۔

جناب محمد علی جناب لینڈ مین کو اپنی متذکرہ نظم سنا چکے تو انہوں نے لینڈ رمین سے پوچھا کہ کیا یہ نظم ایک شاہکار نہیں ہے۔مگر اسے میں شاہکار ہی سمجھتا ہوں نظمیں کہنا مجھے مقصود بالذات نہیں ہے میں اصل میں اپنے ذہن کو کوئی اچھی بات کہنے پر آمادہ کرتا ہوں آپ بات سننا چاہتے ہیں۔

سوال: کیا آپ کے پاس کوئی منتخب بات ہے

جواب: جی ہاں سنیے یہ بات میں نے ہاورڈ کالج کے لیکچر میں کہی تھی۔

قومیں جغرافیائی نقشے تبدیل کرنے کے لئے جنگیں لڑتی ہیں۔لیکن غربت کے خلاف لڑی جانے والی جنگوں سے صرف ایک نقشہ تبدیل ہوتا ہے۔اور وہ انسانی ذہن کا نقشہ ایک آدمی پچاس برس کی عمر تک پہنچ کر دنیا کے بارے میں جو نظریات رکھتا ہے۔بیس برس کی عمر میں بھی وہ اسی ادھیڑ بن میں لگا ہوتا ہے۔تو کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہوا کہ اس نے تیس برس ضائع کر دیئے۔لینڈ رمین! یہ دانائی کی باتیں ہیں۔ان پر توجہ کیجیے جو آدمی مستحکم خیالات کے بغیر زمین پر اترا ہے۔یوں سمجھو اس کے بازو نہیں ہیں اور وہ زندگی کے حصول میں صرف ہاتھ پاؤں مارتا ہی رہ جائے گا۔جب ہم سچائی پر ہوتیہیں تو کوئی ہمیں یاد نہیں رکھتا۔مگر جب ہم غلطی کرتے ہیں تو اسے کوئی نہیں بھولتا امریکہ میں ایک واٹر گیٹ سکینڈل تو ہو چکا ہے۔اور میں کسی دوسرے کا بھی منتظر ہوں۔

آدمی کی دولت کہاں اس کی دولت اس کا علم ہے۔اگر اس کی دولت بنک میں ہے اور اس کے علم میں نہیں ہے کتنی ہے۔تب وہ اس کی نہیں ہے کیونکہ وہ تو بنک میں

ہے۔

سوال: میں آپ کا نقطہ نظر سمجھ گیا ہوں۔

جواب: محمد علی کہتا ہے کہ میں اس سے بھی زیادہ حکمت وبصیرت کی باتیں جانتا ہوں۔ زندان (جیل خانے) کا نگران جیلر قیدی سے بھی زیادہ بری حالت میں روز وشب گزارنے پر مجبور ہے۔ اگر چہ قیدی کا جسم قید خانے میں ہوتا ہے۔ مگر جیلر کا دل قید میں ہوتا ہے۔

حُسن و جمال کے بارے میں بھی میرا عجیب نظریہ ہے وہ لوگ جو جمالیاتی حس رکھتے ہیں۔ قابل قدر شے کے پرستار ہیں۔ خوبصورتی کسی شکل میں بھی ہو کشش رکھتی ہے۔ میں اپنی بات کی وضاحت کرنے کے لئے ایک مثال پیش کرنا چاہتا ہوں۔ کچھ لوگ کسی بی بی کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں بُری صورت سے کچھ دوسرے لوگ اسی بی بی کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں بڑی خوبصورت عورت ہے۔ اب ظاہر ہے کہ پسند و ناپسند کا پیمانہ تو کوئی نہ ہوا آپ لٹھ لے کر کوئی شے پرکھنے نکل کھڑے ہوں تو اس کا نتیجہ پیشگی معلوم ہوسکتا ہے۔ محبت ایک جال ہے جس میں دل پھنستا ہے مچھلی کی طرح بے خبر۔

سوال: فلسفہ جمالیات کے بعد اب ہمیں باکسنگ کے بارے میں بات کرنی چاہیے۔ جب آپ کا مقابلہ فورمین اور جوفریزر سے ہوا۔ آپ کا جسمانی ردِعمل اولین صورت میں کیا ہوتا ہے۔ یعنی جب مکے کی ضرب آپ پر پڑتی ہے۔

جواب: اپنے ہاتھ میں کسی درخت کی سخت شاخ لیجے اور اس پر نیچے کے رُخ ضرب رسید کیجئے تو آپ کے ہاتھ میں درد محسوس ہوگا۔ اگر آپ بار بار اسی عمل کو دہراتے جائیں تو درد کافور ہو جائے گا۔ یہی حال ایک باکسر کے مکے کی ضرب کا ہے۔

سوال: جب آپ کے جسم کے کسی حصہ پر شدید کریکر لگتا ہے تو آپ کے جسم کا

فوری ردعمل کیا ہوتا ہے۔

جواب: جسم کو کوئی ردعمل نہیں ہوتا۔ کیونکہ ذہن جسم پر حکمرانی کرتا ہے۔ جب جسم پر ضرب پڑتی ہے تو ذہن اس ضرب کا احساس دلاتا ہے۔ جب کہ جسم بے حس ہو چکا ہوتا ہے۔

آپ یہ بھی نہیں جانتے کہ ضرب کہاں آتی ہے۔ کیونکہ اس وقت درد کا احساس بھی نہیں رہتا۔ بس یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی صدمہ پہنچا ہے۔ لیکن جب میرے ساتھ ایسی صورت حال رونما ہوتی ہے تو مجھے از خود یہ معلوم ہو جاتا کہ مجھے اسکا کیا تدارک کرنا ہوگا۔ یہ تو ایک مکے کے ضرب کی بات ہوئی جب مکوں کی یورش پہم ہو جائے۔ تو میرے حواس بجا نہیں رہتے اور مجھے یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ میں کہاں ہوں اور میرے ساتھ کیا بیتی ہے لیکن میں ہمیشہ اپنے آپ سے کہتا ہوں کہ مجھے اچھلنا کودنا چاہیے بھنگڑا ڈالنا چاہیئے میں جب سوچتا ہوں تو میرے حواس بجا ہو جاتے ہیں۔ اور جب میں جوابی حملہ کرنے لگتا ہوں تو یہ از خود وقوع پذیر ہونے لگتا ہے۔ میں مُکہ رسید کرتا ہوں تمام باکسر مکے مارتے ہیں۔ خواہ وہ باکسر شوگر رے ہو جولوئیس ہو یا رو کی ما کیا نو ہو۔

لیکن ان تینوں میں وہ بات موجود ہے جو دوسرے باکسر نہیں کر سکتے۔ حریف کا وار سہہ کر قائم رہنا صلاحیت کی بات ہے۔ بلاشبہ میرے پاس یہ صلاحیت موجود ہے۔ میں نے جوفریزر کے ساتھ ایک مقابلہ میں اس کا اظہار بھی کیا تھا۔ یہی ایک وجہ ہے کہ میں مدافعت اور قوت برداشت کا لازوال استعمال کر سکتا ہوں۔ جب میں فورمین سے لڑا تھا تو میرے سامنے وہ کبوتر بن کر پھڑ پھڑاتا رہا۔

میرا دل آسمان پر اور

پاؤں زمین پر ہیں

سوال: جارج فورمین کے ساتھ مقابلہ کو جیتنے کیلئے آپ نے کیا منصوبہ یا طریقہ آزمانے کا تہیہ کیا تھا؟

جواب: ہر راؤنڈ میں رقص کرنے کا

سوال: کیا فورمین اس وقت پریشان ہو گیا تھا جب اس نے آپ کو رنگ کے کونے میں دھکیل دیا تھا۔ کیونکہ وہ کوئی مکہ رسید نہ کر سکا۔

جواب: جی ہاں دراصل وہ دوسرے راؤنڈ میں مجھ پر وار کرنے کے لئے موقع محل کا اندازہ لگانا چاہتا تھا، لیکن وہ چھٹے راؤنڈ تک کچھ بھی نہ کر سکا۔ کیونکہ وہ اس قدر ہانپ چکا تھا کہ جی ہار بیٹھا۔

سوال: یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں؟

جواب: کیونکہ اس نے وار کرنے کے طریقہ کو استعمال نہ کر کے موقع کھو دیا تھا۔

حالانکہ وہ ایک موقعہ پر مجھے ناک آؤٹ بھی کر سکتا تھا۔ وہ آخر دم تک پُر امید رہا۔

مگر تھکن نے اس کا بُرا حال کر دیا تھا، مگر اس حالت میں اس کے جارحانہ مکے میرا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے، تب میں نے اکھاڑے ہی میں سے اس مخاطب ہو کر کہا تم چیمپئن نہیں ہو سکتے بلکہ Tramp ہو ایک عورت کی طرح کھیلتے ہو۔

سوال: آپ اپنے حریف کو مقابلے سے پہلے لتاڑنے لگتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب: جیسا کہ میں نے جارج فورمین کو ممی کہہ دیا تھا، کیونکہ وہ ایک باکسر کی

بجائے ایک گرہستن کی طرح نظر آ رہا تھا۔ فورمین کو اپنی جیت کا سو فیصد یقین تھا جیسا کہ اخبارات نے بھی اس کے حق میں فیصلہ دے رکھا تھا کہ وہ نا قابل تسخیر ہے مجھے حیرت ہے کہ تیسرے راؤنڈ تک پریس کو یقین تھا کہ وہ نا قابل تسخیر ہے، جب میں نے چوتھے راؤنڈ میں اس پر وار کیا تو وہ خیالی کامیابی کے خواب سے جاگ پڑا۔

سوال: کیا فورمین کو اپنی کامیابی کا قطعی یقین تھا؟

جواب: فورمین کو غالب یقین تھا یہی وجہ ہے کہ اس نے شروع ہی میں جارحیت کا وار کیا تھا۔ میرا اندازہ ہے اس کے وار کرنے کا انداز فریزر اور نارٹن سے بھی زیادہ شدید تھا۔ تاہم اسے یہ پتہ نہیں تھا کہ میرا وار بھی کس قدر شدید ہوگا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ مجھ سے بڑا باکسر ہے۔ مجھے یقین تھا کہ وہ آج رات اپنا باکسنگ کراؤن اتر وار کر ہی جائے گا۔

سوال: فورمین نے الزام لگایا تھا کہ اسے مقابلہ سے پہلے نشہ آور مشروب پلا دیا گیا تھا۔ کیا آپ کے نزدیک اس کی کوئی شہادت موجود ہے۔

جواب: دراصل فورمین کا الزام ہارے ہوئے جواری کا ہے کیونکہ مقابلہ ہارنے کے بعد دوسرے دن اس نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ اب بھی اصل چیمپئن ہے۔ کیونکہ ہارنے کے باوجود اس نے محمد علی کو پیٹا ہے۔ جب وہ پیرس گیا تب وہاں اپنے مقابلے پر تبصرہ کرتے ہوئے الزام لگایا کہ رنگ کے رسے ڈھیلے تھے اس دوسرا عذر شکست یہ تھا کہ ریفری کی گنتی بڑی تیز تھی۔ پھر اس نے الزام لگایا کہ فرش پر بچھا ہوا گدا بہت نرم تھا۔

مگر میں کہتا ہوں کہ رسہ ڈھیلا تھا یا کینوس نرم تھا یہ میرے لیے بھی تو تھا۔ اگر اسے نشہ آور مشروب پلایا گیا تھا تو اسے صبح مقابلہ سے پہلے یہ بات کہنی چاہیے تھی۔ اب جب کہ وہ الزام لگا رہا ہے کوئی اس سے یہ پوچھنے کی زحمت گوارہ نہیں کرتا، کیا یہ نشہ اسے انجکشن کے ذریعے دیا گیا تھا۔ اسے سوئی کی چبھن تو ہوئی ہوگی۔ آخر بہانہ

بازی کی بھی تو کوئی حد ہونی چاہیے۔ اب یونہی فورمین اپنی شکست تسلیم کرے گا اسے پتہ چل جائیگا کہ وہ چیمپئن شپ کھو چکا ہے۔

سوال: کیا زائرے جیسے دور افتادہ شہر میں مقابلہ سے آپ کو الجھن نہ ہوئی تھی کیونکہ وہ مشہور جگہ نہیں۔

جواب: عالمی ہیوی ویٹ چیمپئن بہت بڑا اعزاز ہے اس کے لئے مقابلہ کسی مشہور شہر میں ہو یا دور افتادہ جگہ پر ہو۔ اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ جب عالمی اعزاز حاصل ہو جاتا ہے تو ایک چیمپئن جو کچھ کہتا یا کرتا ہے سائبیریا سے ایزن، سویز سے پانامہ اور چین کے صحرائے گوبی سے صحرائے اعظم افریقہ تک خبر بن جاتی ہے۔ اسے لوگ شوق سے پڑھتے ہیں۔ اب جب کہ میں دوبارہ عالمی چیمپئن بن گیا ہوں۔ میں ہر دن کو پرامید پاتا ہوں۔ جب میں سو کر اٹھتا ہوں تو مجھے پتہ چلتا ہے کہ میں عالمی ہیوی ویٹ چیمپئن ہوں۔ میں جس جگہ بھی جاتا ہوں وہیں مخلوقات جمع ہو جاتی ہے۔ ریستوران میں جاتا ہوں، کسی پارک کی سیر کو نکلتا ہوں، کسی سکول میں جاتا ہوں لوگ مجھے دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ عالمی چیمپئن محمد علی ہے۔ مائیں اپنے بچوں کو بتاتی ہیں دیکھو بیٹا! محمد علی ہے ورلڈ ہیوی ویٹ چیمپئن۔

میں جہاں جاتا ہوں لوگ مجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ ٹی وی والے میرا انٹرویو لینا چاہتے ہیں۔ لوگ مجھے دعوت پر مدعو کرتے ہیں۔ اگر مدعو حضرات میری نمائش کا ٹکٹ لگا دیں تو شاید وہ کئی لاکھ ڈالر کما لیں۔ یہ سب کچھ تب تک ہوتا رہے گا۔ جب تک جیت میری کنیز بنی رہے گی۔ ہیوی ویٹ اعزا میرا دست بستہ غلام، ایسی باتیں اور واقعات مجھے پیش آتے رہیں گے میں نے سب سے پہلے سونی لسٹن کو ہرا کر چیمپئن شپ جیتی تھی تب میں شہرت کی چوٹی پر جا بیٹھا تھا۔ مگر میرا دل کہتا تھا کہ میں زمین پر ہوں جس پر سب کے قدم آتے ہیں۔

آپ نے زائرے کی پس ماندگی کے بارے میں پوچھا ہے شروع میں۔ میرا

بھی یہی خیال تھا کہ وہ ایک دور افتادہ جگہ ہے لیکن جب میں نے خود اپنی آنکھوں سے زائرے کو دیکھا تو وہاں مقابلہ کے لئے ایک عالی شان سٹیڈیم تعمیر کیا گیا ہے۔ فائٹنگ رنگ (چبوترہ) ہر طرح آراستہ ہے، تب مجھے زائرے کے باشندوں کی سوجھ بوجھ پر بڑی مسرت ہوئی اب میں کسی بھی افریقی ملک میں اپنے کسی چیلنجر (حریف) کی دعوت قبول کرنے کو تیار ہوں۔

سوال: وہ کس طرح؟

جواب: میں نے زائرے میں دیکھا کہ سیاہ فام لوگ اپنے ملک کے اقتصادی اور سیاسی نظام کو خود چلا رہے ہیں، ملک کا صدر بھی ایک سیاہ فام شخص ہے۔ اور لوگوں کے ساتھ اس کا رویہ بے حد کریمانہ ہے اور وہ ایک نو تعمیر ملک کی ترقی میں کوشاں ہیں میں نے نہ صرف زائرے میں بلکہ کنساشا میں بھی دیکھا کہ وہاں کی سڑکیں نہایت اچھی تھیں، بازار کشادہ اور کھلے، دکانیں اشیائے ضروریہ سے پُر تھیں ریستورانوں، ڈیپارٹمنٹل سٹوروں اور مراکز فروخت کو دیکھ کر یوں لگتا تھا کہ جیسے ہم ایک جدید تمدنی شہر کے کوچہ و بازار میں پھر رہے ہیں۔ میں آپ کو ایسی ایک ہزار اشیاء کے نام بتا سکتا ہوں۔ جن کے بارے میں معلومات حاصل کر کے مجھے مسرت ہوئی، مقابلے سے پہلے مشق کے دوران میں عام طور پر دریا کے کنارے بیٹھ کر کشتیوں کی آمد و رفت دیکھ کر دل بہلایا کرتا تھا۔ میں نے وہاں ۷۴۷ جمبو جیٹ طیارے بھی دیکھے اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا بین الاقوامی پروازوں کو لے جانے والے عملے میں پائیلٹ اور ایئر ہوسٹس سب کے سب زائرے کے باشندے تھے، یعنی سیاہ فام لوگ، زندگی کے ہر شعبہ کو چلانے میں خود مختار تھے میں نے زائرے میں ہر چیز کو سیاہ فام پایا۔ گاڑیوں کے ڈرائیور دیکھے تو سیاہ فام ہوٹل مالکان کو دیکھا تو وہ سیاہ فام اساتذہ کو دیکھا تو وہ بھی افریقی حتیٰ کہ کرنسی نوٹوں پر بھی سیاہ فام لوگوں کی حکمرانی دیکھی۔ یعنی انکے صدر کی تصویر تھی اپنے ہم نسل لوگوں کی خود مختاری دیکھ کر مجھے

بے پایاں مسرت ہوئی۔ میری مسرت کوئی مخفی شے نہیں۔ کیونکہ میں خود سیاہ فام ہوں اور مسلمان بھی ہوں مجھے یوں لگتا تھا کہ میرا اصل گھر تو یہیں ہے، کیونکہ میں محسوس کرتا ہوں کہ امریکہ میں میرا گھر نہیں ہے اگرچہ میں اپنے ذہن اور دل و دماغ کو امریکہ میں گھر بنانے پر آمادہ کرتا رہتا ہوں، مگر افسوس ایسا نہ کر سکا۔

سوال: اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: کیونکہ امریکہ کے سیاہ فام ترقی نہیں کر سکتے جب تک کہ ان پر سفید فام لوگوں کا تسلط و غلبہ رہے گا۔ آپ حیران ہوں گے کہ میں یہ کیا کہہ رہا ہوں۔ دیکھئے پرندوں کو دیکھئے کہ وہ آزاد رہنا چاہتے ہیں۔ شیروں (درندوں) کو دیکھئے کہ وہ بھی آزاد رہنا پسند کرتے ہیں۔ دنیا کا ہر ذی روح آزادی پسند ہے۔ ہم سیاہ فام جب تک آزادی حاصل نہیں کر سکتے۔ جب تک کہ ہم جنوبی امریکہ ہی کے ایک حصہ میں اپنا ملک قائم نہیں کر لیتے جب ہم امریکہ سے علیحدہ ہو کر قریباً دس ریاستوں پر مشتمل اپنے ملک کی داغ بیل رکھیں گے۔ تب ہم اپنے آپ کو آزاد خیال کرنے میں حق بجانب ہوں گے۔ ہم اپنے لئے ضوابط و قوانین خود تشکیل دیں گے ہماری اپنی عدالتیں ہوں گی، ٹیکسوں کا نظام ہمارا اپنا وضع کردہ ہوگا۔ ہم خود ہی منصف ہوں گے، ہماری اپنی درسگاہیں اور اپنا سکہ ہوگا۔ پروانہ راہداری کے اجراء کے بھی ہم ہی مجاز ہوں گے۔ اگر ہمیں امریکہ نے کچھ بھی نہ دیا تو ہم سیاہ فام لوگ اور ہمارے اپنے رہنما یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ ہمیں افریقہ جانے کی اجازت دی جائے تا کہ ہم اس تاریک براعظم میں اپنا گھر بنا کر دنیا کے دلوں سے کدورتوں اور نفرتوں کے اندھیرے دور کر سکیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ امریکہ بے حد امیر ملک ہے لیکن بہت کم لوگ جانتے ہیں امریکہ کی امارت میں سیاہ فام لوگوں کی وہ مزدوری اور مشقت بھی شامل ہے۔ امریکہ کی تعمیر میں ہمارا خون پسینہ شامل ہے۔ ہم اپنے آپ کو کس قدر آزاد خیال کر سکتے ہیں کیونکہ ہمارے پاس کوئی ایسا خطہ نہیں

ہے جسے ہم اپنا ملک کہہ سکیں، کہنے کو میرے پاس پنسلوانیا میں ایک وسیع وعریض ٹریننگ کیمپ ہے مگر یہ میرا نہیں ہے اور نہ میں اسے اپنا کہہ سکتا ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ یہ اراضی پٹہ پر ہے جو میں نے ایک سفید فام لینڈ لیڈی سے لی ہے اور وہ جب میرے ہاتھ میں ۴ ہزار ڈالر کا نوٹس تھما دیتی ہے تو مجھے پتہ چلتا ہے کہ یہ زمین میری نہیں، میرے ابا کی نہیں۔ اگر میں یہ رقم ادا نہ کروں تو وہ مجھے وہاں ایک لمحہ کے لئے بھی ٹھہرنے نہ دے گی۔ آخر میں اس نمائشی ملکیت کو کس طرح کہوں کہ میری حقیقی ملکیت ہے۔ اگر اس نوٹس کی رقم کا فائدہ سیاہ فام لوگوں کو پہنچتا ہے تو میں یقیناً گلہ نہ کروں مگر یہ رقم تو سفید فام لوگوں کی بہبودی پر صرف ہوتی ہے۔ سیاہ فام لوگ بھی ایک قومیت رکھتے ہیں ان کا حق قومیت تسلیم کیا جانا چاہیے۔

سوال: جب تک یہ ناپسندیدہ فعل جاری ہے انہیں امریکی حکومت کی طرف سے تحفظات بھی تو ملتے ہیں۔ کیا آپ امریکہ کے مستقبل سے یا اس کے نسلی امتیاز کے تعلقات کے بارے میں مایوس ہیں یا ناگوار شے کو گوارہ کرنے کے حق میں ہیں۔

جواب: امریکہ کا مستقبل کوئی نہیں ہے۔ امریکہ تباہی کے کنارے پہنچے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ امریکہ کو اسکے گناہ کی سزا دینے والا ہے۔ امریکہ میں روز افزوں بے گناہوں کی قتل وغارت گری، جرائم میں اضافہ اور سال میں پے در پے زلزلے، کیا سب باتیں تباہی کی علامت نہیں ہیں۔ امریکہ نے سیاہ فام لوگوں پر جو مظالم کئے ہیں اب وہ ان کی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہو جائے۔ امریکہ نے غلامی کی جو قسم سیاہ فام لوگوں پر مسلط کر رکھی ہے وہ اس سزا سے نہیں بچ سکتا۔ اگر امریکہ نے سیاہ فام لوگوں کے ساتھ انصاف اور ان کے لئے جذبہ احترام نہ روا رکھا تو اس کی تباہی کی حجت اتمام ہو چکی ہے۔ اگر اس نے سیاہ فام لوگوں کی خود مختاری نہ دی تو وہ اپنے اختیارات کی آگ میں جل کر خاکستر ہو جائے گا۔

اگر چہ میں کوئی سیاسی رہنما نہیں ہوں۔ تاہم اتنا بھی نہیں کہہ سکتا کہ خودمختاری کس طرح مل سکتی ہے آیا وہ میری زندگی میں بھی مل سکے گی لیکن میرا اس بات پر ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ کچھ بعید بھی نہیں وہی ہمیں خودمختاری دلوائے گا۔ میری خواہش ہے کہ میں اپنی زندگی میں یہ بھی دیکھ سکوں مگر خدا تعالیٰ کی رضا کے آگے دم بھی نہیں مار سکتا۔

میں یہ جانتا ہوں کہ جب سفید فام لوگوں نے یہاں آ کر اس سرزمین جسے امریکہ کہا جاتا ہے آباد کیا۔ اس بات کو پانچ سو سال گزر چکے ہیں پر انہوں نے اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے دن رات کام کیا۔ انہیں ان کی محنت کا صلہ ملا تو کیا ہمیں ہماری محنت کا صلہ نہ ملے گا۔ ممکن ہے ہمیں اپنی حکومت قائم کرنے میں ایک ہزار سال لگ جائیں جب یہ تسلیم کہ یہ دنیا کروڑوں سال پرانی ہے تو پھر ایک ہزار سال کی حیثیت تو قوموں کی تاریخ میں ایک دن کی ہی ہوگی۔ دیکھئے وقت پر ہر چیز وقوع پذیر ہو جاتی ہے۔

یقیناً یہ ہوگا کیونکہ ہر اچھائی وارد ہو کر رہتی ہے۔ اچھائی کی یہی ایک خوبی ہے جو میں گنوا سکتا ہوں۔ خدا تعالیٰ ہر بچے کو راستی پر پیدا کرتا ہے مگر لوگ اسے لادین بنا دیتے ہیں۔ ہم راستی پر ہیں اور راستی کے لئے جئے ہیں۔ مگر غلامی کی زندگی کے ساتھ نہیں مرنا چاہتے۔ امریکہ کے تمام بڑے بڑے اشیاء ضروریہ کے سٹور مالکان سب کے سب سفید فام ہیں۔ اگر وہ آج انہیں بند کر دیں تو کل سارے سیاہ فام لوگ اپنی طبعی ضرورتوں کی عدم رسائی کے ہاتھوں ہلاک ہو جائیں۔ ہم غلامی سے تنگ آ چکے ہیں کیونکہ غلامی نے ہمیں کچھ نہیں دی۔ اہم لوگوں کی خدمتیں بجالاتے لاتے زچ ہو چکے ہیں، جیتے شاید مرنے کے لئے ہیں۔ دنیا میں ہر قوم کی بہتری کا انتظار رہتا ہے مگر ہمیں موت کا رہتا ہے۔ ہم دنیا سے کچھ لئے بغیر جنت میں نہ داخل ہوں گے۔ ہم مرنے سے پہلے کچھ نہ کچھ لینا چاہتے ہیں۔ یہ اسلام کا پیغام ہمارے پاس

ہے۔اس کی تعلیم ہے کہ مسلمان اپنا حق لئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ عجیب بات ہے ہر بڑا عہدہ یا دنیاوی مرتبہ تو سفید فام لوگوں کو حاصل ہوتا ہے مگر ہر حقیر کام سیاہ فام لوگوں کو حاصل ہوتا ہے مگر ہر حقیر کام سیاہ فام لوگوں کے حصہ میں آتا ہے۔ آخر یہ کیوں ہے۔امریکہ میں نیگروز کی تعداد ۲۵۰۰۰۰۰۰ ہے کیا یہ ایک قوم کی تعداد نہیں ہے۔

کیوبا ایک چھوٹا سا **ملک** ہے اس کی آبادی ۱۰۰۰۰۰۰۰ اور جب کیوبا والے امریکہ کو دفع دور کہہ سکتے ہیں اور امریکہ جیسا بڑا **ملک** یہ برداشت کرسکتا ہے تو وہ کیوبا کی قلت آبادی و رقبہ کو تسلیم کرسکتے ہیں اور انہیں ایک علیحدہ قوم مان سکتے ہیں حالانکہ کیوبا چاروں طرف سے امریکہ میں گھرا ہے تو ہمیں یعنی سیاہ فام لوگوں کو ایک قوم کیوں تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اگر نائیجیریا اور گھانا سیاہ فاموں کے **ملک** بن سکتے ہیں تو ہمارا **ملک** کیونکہ نہیں بن سکتا۔ میں نے زائرے میں دیکھا چھوٹا سا **ملک** ہے اور ان کا قومی پرچم بھی چھوٹا سا ہے۔ اور اس کے باشندے اسے ہاتھوں میں تھام کر خوشی سے ناچ رہے تھے کیونکہ وہ ایک قوم کے فرد تھے۔ان کی خوشی بجا تھی۔ ہماری قوم غلاموں کی قوم ہے جو سفید فام لوگوں کی گرفت میں ہے ہم نے اس **ملک** کو امیر بنانے میں تین سو سال کا عرصہ صرف کیا ہے۔ہم اس کی آزادی کی خاطر جاپان سے لڑے ہیں۔ہم نے جرمنوں کی مداخلت سے اسے بچایا ہے۔ہم نے اسے کوریا والوں کی دستبرد سے محفوظ رکھا ہے۔ ہم نے اسے مادرِ وطن سمجھ کر اس کا دفاع کیا ہے۔ ہم اس کی آزادی کے لئے ہر میدان میں سینہ سپر رہے ہیں مگر حیرت ہے امریکہ کے سفید فام باشندے ہماری سینہ چاکی پر نظر ڈالتے ہیں۔

اب غلاموں سے کپاس نہ چنوائیے کیونکہ یہ کام اب مشینیں کرسکتی ہیں مگر جب ہم سیاہ فام تلاشِ روزگار کے لئے گلیوں اور دفاتر میں جاتے ہیں ہمارے لئے کوئی نوکری نہیں ہوتی تو پھر کیوں نہ ہم اپنی علیحدگی کا مطالبہ کریں۔ ہمارے ساتھ بات

چیت میں ہمدردانہ رویہ اختیار نہیں کیا جاتا بلکہ کہا جاتا ہے:

OK Slave we donot need you

سوال: آپ اس حقیقت کو بھول رہے ہیں کہ امریکی یونیورسٹیوں سے ہر سال کثیر تعداد میں سیاہ فام گریجویٹ نکل رہے ہیں اور آج سے پندرہ سال پہلے کی نسبت کہیں بہتری کے آثار موجود ہیں؟۔

جواب: جی درست ہے مگر سفید فام لوگوں کی ذہنیت نہیں بدلی وہ اب بھی ہمیں غلام کہنے میں برتری محسوس کرتے ہیں۔

Ok Slave you are a Doctor

کوئی سیاہ فام وکیل بن جائے ٹیکنیشن بن جائے اس کو مخاطب کرنے میں غلام کا لفظ ضرور بولا جاتا ہے۔ یا بلیک مین کہا جاتا ہے۔ کیا یہ ہمیں ایک قوم تسلیم کرنیکی ابتدا ہے ہم کیا کچھ نہیں کر سکتے ہم بھی ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ تعمیر کر سکتے ہیں کیونکہ حبشیوں میں زیادہ تر لوگ محنتی ہیں وہ لکڑی کے بڑے بڑے گٹھے اٹھا سکتے ہیں۔ نقشے بنا سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ ماہر تعمیرات ہیں۔ معمار ہیں، مستری ہیں اور مکینک ہیں مگر ہم ابھی تک سفید فاموں کے رحم و کرم پر پڑے ہیں کیونکہ ہمیں کوئی کام نہیں دیا جاتا۔ ہم اپنے گھر نہیں بنا سکتے۔ اور آپ کہتے ہیں کہ ہم آزادی ہیں۔ آخر یہ کیسی آزادی ہے، بیکاری کی ہے یا عدم اختیاری کی ہے۔ ہمیں تو متحد ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بلکہ شبے کا اظہار کیا جاتا ہے۔ ہمارا اتحاد **ملک** کی سلامتی کیلئے بنائے فساد بن سکتا ہے چار سو سال ثابت کرتے ہیں کہ ہم متحد نہیں ہو سکتے۔ چلئے یہ مان لیا لیکن ازراہِ کرم ہمیں اپنا گھر تو بنانے دیجئے۔ اگر ہم اپنے **ملک** جس میں صدیوں سے ہمارے آباؤ اجداد رہتے آئے ہیں وہاں ہمیں یہ اختیار تو دیجئے کہ ہم اپنا گھر بنا سکیں۔ میں کہتا ہوں اگر ہمارا وجود بطور ایک قوم تسلیم کر لیا گیا ہوتا تو ہماری عدالتیں انصاف کرنیوالی عدالتیں بن گئی ہوتیں۔ مگر ہمارے جج نیلی آنکھوں والے

سفید فام لوگ نہ ہوتے جواب ہمیں جس نگاہ سے بھی دیکھتے ہیں بُری نگاہ سے دیکھتے ہیں ۔ ہمارا جرم صرف یہی ہے کہ ہم سیاہ فام ہیں ۔

اگر ہماری اپنی حکومت ہوتی تو وہ ہائی وے پر دوڑتی ہوئی کار کو یوں نہ روکتی جس طرح ان دنوں ہر پولیس مین ہر اس کار کو روک کر تلاشی ضرور لیتا ہے جسے کوئی سیاہ فام چلا رہا ہو۔ ہم کو چور اُچکے نہیں ہیں ہم شک کیوں کیا جاتا ہے۔ کیا اس بات کا بھی کوئی ثبوت ہے ۔ یہ نسلی امتیاز اور منافرت سیاہ فام لوگوں کو مجبور کر رہی ہے کہ وہ اسلام کے دامن میں پناہ لے کر مسلمان ہو جائیں ۔ ان کی دنیا تو سفید فام لوگوں کے ہاتھوں خراب ہے عاقبت تو سنور جائے گی ۔

سوال: سیاہ فام امریکی باشندوں کے مذہبی پیشوا علیجاہ محمد جب تک زندہ رہے یہی کہتے رہے کہ تمام سفید فام لوگ نیلی آنکھوں والے شیطان ہوتے ہیں کیا آپ اس بات پر یقین رکھتے ہیں

جواب: سفید فام لوگوں میں استثنا بھی تو ہے ۔ میں انفرادی طور پر کئی سفید فام لوگوں کو جانتا ہوں وہ رحمدل ہیں ۔

میں آپ سے نوکری نہیں پرچم مانگتا ہوں

ہم سیاہ فام جانتے ہیں کہ اصل شیطان کون ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ آپ ایسے چند سفید فام لوگوں کے نام تو پیش کیجئے جو سیاہ فاموں کے حقوق کے لئے لڑے ہوں۔ اور انہوں نے کبھی حکومت تک کوئی آواز پہنچائی ہو۔ مجھے تو یوں لگتا ہے کہ یہ سب سیاہ فاموں کے حقوق کو شیر مادر سمجھ کی پی جانے والے لوگ ہیں۔ کیا انہوں نے کبھی سچ کے لئے زہر کا پیالہ بھی لبوں کو لگایا ہے۔

سوال: کیا آپ انہیں جانتے کہ ۱۹۶۰ء سے سیاہ فام امریکی باشندوں کی بہبودی اور بہتری اور شہری حقوق کی بازیابی کے لئے سفید فام لوگ ان کی ہم نوائی کررہے ہیں۔ ان میں بعض قتل بھی ہو چکے ہیں۔ بلیک سول رائٹس کے حصول و بازیابی کے لئے متعدد سفید فاموں نے اپنی جان و مال کو خطرے میں ڈال رکھا ہے۔

جواب: ہم جانتے ہیں کہ کتنے سفید فام لوگ ہماری مدد کو آتے ہیں۔ اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ کتنے سفید فام لوگ قضاوقدر کے فیصلے کی زد سے بچ سکیں گے۔ جب اس ملک پر قہر خداوندی نازل ہوگا تو ہم بفضل تعالیٰ بچ جائیں گے۔ امریکہ میں مختلف عقائد و ایمان والے لوگ آباد ہیں جس میں یہودی بھی ہیں اور عیسائی، مسلمان اور کافر بھی ہیں۔ ہم سے کون ہمدردی رکھتا ہے۔ اس بات کا جائزہ ہم ساری صورت حال کو پیش نظر رکھ کر ہی کر سکتے ہیں۔ رہ گئی یہ بات کہ سفید فام لوگ ہمارے لئے ہمدردانہ نقطہ نظر اختیار کررہے ہیں۔ مجھے آپ کے اس ادعا سے اختلاف ہے کیا آپ نے سفید فام طالبعلم کو نہیں دیکھا۔ جس نے لمبے لمبے بال رکھے ہوتے ہیں۔ جو نئی روشنی کا پروردہ ہے اور روشن خیالات کا مالک ہے جو ہم اقلیتی طبقہ کے حقوق کا طرفدار ہے اور وہ غلامی کے قوانین کے خلاف ہے۔ آپ نے یہ بھی دیکھا ہوگا۔ ایسے خیالات رکھنے والوں کی امریکی معاشرہ میں کتنی قدر

ومنزلت کی جاتی ہے۔ میں نے تو دیکھا ہے۔ ایسے سفید فام لوگوں کو ان کے ہم نسل سفید فام لوگ مار پیٹ سے بھی گریز نہیں کرتے کیونکہ وہ نہیں چاہتے کہ کوئی دردمند سفید فام ہماری مدد کرے۔ لیکن یہ ہمدردی زبانی کلامی ہے۔ اس سے مجموعی طرز عمل تو نہیں بدل جاتا۔ ہاں اگر امریکی طلباء میں یہ رجحان زور پکڑتا ہے تو مجھے یہ کہنے میں باک نہ ہوگا کہ کچھ سفید فام لوگ واقعتاً اچھے لوگ ہیں۔ تب میں کہہ سکتا ہوں کہ آؤ ہم اپنے اختلافات بھلا کر امریکہ کے استحکام کے لئے مل کر کام کریں مگر میں اس بات کا کب اظہار کروں کیونکہ ایسا کوئی موقع موجود نہیں ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہماری طرف داری کے جرم میں بے شمار امریکی طلباء و طالبات نے مار کھائی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنے وطن کو جھگڑے فساد کی سرزمین نہیں دیکھنا چاہتے۔

میں آپ سے ایک دل چسپ سوال پوچھوں گا کہ آپ کے دادا ہمارے دادا صاحبان سے کہتے آئے ہیں کہ اگرچہ ان کی جوانی میں نسلی امتیاز میں کوئی فرق نہیں رونما ہوا۔ مگر ہمارے بڑھاپے تک پہنچتے پہنچتے یقیناً تعلقات بہتر ہو جائیں گے۔ اور یہ بات اس تواتر سے دہرائی جا رہی ہے کہ بہتری کے آثار اب تک نظر نہیں آ رہے۔ صدیاں گزر گئی ہیں وہی بیچارگی اور غلامی ہے۔ مجھے بتائیے جب میرے بچے بوڑھے ہو جائیں گے۔ کیا اس وقت سیاہ فاموں کے لئے بہتری کے آثار نمایاں ہو چکے ہوں گے۔

سوال: مجھے آپ کے جذبات کا پاس ہے۔ سیاہ فاموں کے ساتھ جو کچھ روا رکھا جاتا ہے میں اس کا بھی عینی شاہد ہوں۔ جذبات سے پرے ہو کر میں آپ سے سفید فام لوگوں کے بارے میں آپ کے خیالات جاننے کا متمنی ہوں۔

جواب: سفید فام لوگ غور و فکر کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ اور ان کی سوچ کا دائرہ ہر شعبہ زندگی کو محیط ہے۔ مگر وہ ہر معاملہ میں انتہا پسند اور جوشیلے ہوتے

ہیں۔انگریزی زبان میں ان اوصاف کو Wildly exelted کہتے ہیں۔وہ ذہن کی رسائی کی بدولت عجیب وغریب ایجادات کا باعث بنتے ہیں۔جونی کارس کے ٹی وی شو کو بھی تجارت کا ذریعہ بنالیتے ہیں۔یہ مقبول پروگرام کولمبیا براڈ کاسٹنگ اینڈ ٹی وی نیٹ ورک کے ذریعے ٹی وی ناظرین کو دکھایا جاتا ہے وہ فلمسازی کے ذریعے دنیا کے مصائب اور مشکلات کا حل تجویز کرتے ہیں۔

سفید فام لوگ دیکھنے میں چاک وچوبند نظر آتے ہیں وہ بہت اچھے منصوبہ ساز ہیں اور وہ دنیا پر حکمرانی کر سکتے ہیں۔لیکن وہ داستان گوئی میں بھی یکتا ہیں۔کیا مارٹن لوتھر کنگ بغاوت پھیلانے کا باعث بنا تھا؟

مگر میں آپ سے پوچھتا ہوں۔جو سفید فام لوگ اچھی فلموں کے سکرپٹ لکھ سکتے ہیں۔انسانی اقدار کی حامل کہانیاں تخلیق کر سکتے ہیں۔وہ ہمارے مصائب و آلام اور نسلی امتیاز کے واقعات پر کیوں فلمیں نہیں بناتے۔چلئے اس بات کو بھی چھوڑیئے۔امریکہ کے ہوابازی کے تجارتی ادارے (ایئر لائنز) بہت کم سیاہ فام لوگوں کو بطور پائلٹ بھرتی کرتے ہیں۔ان اداروں میں سیاہ فام ایئر ہوسٹس بھی بہت کم ملازم رکھی جاتی ہیں۔اگر کسی ائر لائن میں کچھ سیاہ فام لوگ نظر آتے ہیں تو وہ مستقل ملازم نہیں ہوتے۔بلکہ انہیں جز وقتی ملازم رکھا جاتا ہے۔یہ کیا وجہ ہے کہ امریکہ نے اب تک چاند اور خلا میں انسان بردار سکائی لیب (خلائی جہاز) بھیجے ہیں۔ان میں سفید فام لوگوں کو ہی کیوں بھیجا گیا ہے۔امریکہ میں سیاہ فام لوگ کروڑوں کی تعداد میں آباد ہیں۔کیا وہ سب کے سب غبی ہیں؟

سیاہ فام لوگوں کو ہمیشہ پیچھے رکھا جاتا ہے یہ آخر کیوں ہے۔آپ سوچئے امریکہ کتنا امیر کبیر ملک ہے۔امریکی حکومت ملک کا نظام چلانے کے لئے ہر سال ۳۰۰ بلین ڈالر خرچ کرتی ہے۔لیکن سیاہ فام لوگوں کو ہسپتال جانے کے لئے کوئی طبی امداد نہیں دی جاتی۔کیا وہ مردہ ہیں۔

لیکن جو زندہ ہے اسے تو وہ سہولت مہیا کی جائے جو ایک انسان کا حق ہے۔ محمد علی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ امریکہ کا ذہین ترین سیاہ فام باشندہ ہے لیکن یہ کوئی نہیں پوچھتا کہ اس کی ذہانت سے امریکہ کو کس طرح فائدہ اٹھانا چاہیے۔

میں کہتا ہوں کہ سفید فام امریکی مجھے صرف نوکری دے سکتا ہے۔ جھنڈا کیوں نہیں دیتا۔ مجھے جاب سے کیا غرض ہے مجھے تو فلیگ چاہیئے۔

میں آپ سے ہسپتال مانگتا ہوں۔ میں آپ سے رہنے کو جگہ مانگتا ہوں۔ میں آپ کے دل سے آپکے دل میں گھر کرنیکی جگہ چاہتا ہوں۔ ایک غلام فرد جب آزادی کا مفہوم سمجھنے لگتا ہے تو خواہ آپ اسے ملک کی صدارت بھی پیش کر دیں تو وہ آزادی کا طلب گار رہے گا۔ میرا اللہ شاہد ہے کہ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے میں آج ہی مرنے کو تیار ہوں اگر میں کل کو امریکہ کا صدر بنا دیا جاؤں تو میں اپنے لوگوں کی ضرور مدد کروں گا۔ جو تعداد میں ۲۵۰۰۰۰۰۰۰ ہیں میں ان پر حکم نہیں چلاؤں گا۔ میں ان کا کوڑا کرکٹ اٹھا کر ٹرک میں خود لادنے سے گریز نہ کروں گا۔ نہ صرف میں بلکہ میرے بچے بھی اپنے لوگوں کی ایسی خدمتیں بجالانے میں متامل نہ ہوں گے۔ میں سفید فام معاشرہ میں کم تر کام کرنے میں بھی عار محسوس نہ کروں گا۔ جب کہ مجھے سفید فام معاشرہ کا اعلیٰ منصب قبول نہ ہوگا اور میں صدر ہو کر بھی محمد علی ہیوی ویٹ چیمپئن کہلانا پسند کروں گا۔

سوال: آپ نے گذشتہ دو سال میں باکسنگ مقابلوں میں ۱۰۰۰۰۰۰۰۰ ڈالر کمائے ہیں۔ کیا آپ اپنی دولت آسانی سے خرچ کر ڈالیں گے۔

جواب: میں اس دولت کو ایک منٹ میں صرف کر دوں گا۔ پچھلے ہفتے کا ذکر ہے کہ میں اپنی رولز رائس کار میں بیٹھا جا رہا تھا۔ جب کہ دوسری ایسی رولز رائس میرے گیراج میں بھی موجود ہے۔ جسے میں بہت کم استعمال کرتا ہوں۔ صرف ایک کی قیمت ۴۰۰۰۰۰ ہزار ڈالر ہے۔ میرے پاس ایک اعلیٰ گرے ہاؤنڈ بس بھی ہے جس

میں نشستوں کے علاوہ ۱۴ عدد بیڈ سیٹس بھی ہیں۔ اس کی قیمت ۱۲۰۰۰۰ ڈالر ہے۔ میرے ٹریننگ کیمپ کی مالیت ۳۵۰۰۰۰۰ ڈالر ہے۔ میں نے اپنے شکاگو کے گھر کی مرمت پر ۳۰۰۰۰۰۰ ڈالر خرچ کئے ہیں یہ درست ہے کہ میرے پاس بے مقدار دولت ہے۔ مگر میں اسے خرچ کرتے وقت حساب کتاب کے دائرے میں نہیں رکھتا۔

بہر حال عرض کرنے کا مطلب یہ تھا کہ میں کار میں بیٹھا ایک سڑک سے گزر رہا تھا۔ ناگاہ میری نظر ایک سیاہ فام آدمی پر پڑی جس نے ایک بوسیدہ کوٹ پہن رکھا تھا۔ وہ اپنی بیوی اور چھوٹے بچے کے ساتھ بس کے انتظار میں کھڑا تھا۔ جب کہ میں رولز رائس میں بیٹھا تھا۔ بچے نے جو بوٹ پہن رکھے تھے جگہ جگہ سوراخ تھے۔ اور میں نے سوچنا شروع کیا کہ اگر یہ میرا بچہ ہوتا تو بچے کی ناگفتہ بہ حالت پر میرے آنسو نکل پڑے میں نے اتنا سوچا ہی تھا کہ آنسو ٹپ ٹپ میری آنکھوں سے گرنے لگے۔ اگر سیاہ فام لوگ آزاد ہوتے تو اس حالت کا شکار نہ ہوتے۔

میں بھی سیر و تفریح کے لئے جاتا ہوں۔ امریکہ کی مشہور سیر گاہ میامی بیچ ہے۔ مگر میں جب جاتا ہوں تو اپنا کھانا ساتھ لے کر جاتا ہوں۔ کیونکہ میں پیسے بچانا چاہتا ہوں۔ کیونکہ بچت اچھی چیز ہے۔ میں نے جارج فورمین کے ساتھ مقابلہ کی تیاری پر ۵۰۰۰۰۰ ہزار ڈالر خرچ کئے تھے۔ لیکن دیکھئے یہ میں نے اپنی ذات پر خرچ نہیں کئے تھے۔ ان رقوم کے ذریعے میں نے اپنے ہم نسل لوگوں کو روزگار مہیا کیا تھا۔ اسی طرح میں چک ویز کے مقابلہ کی تیاری کے لیے ۳۰۰۰۰ ڈالر صرف کئے۔ ان کے ذریعے اپنے بے شمار ہم وطنوں کو روزگار مہیا کیا۔ لیکن یہ میری ذات تنہا کا خرچ نہ تھا۔ بلکہ اس میں میرے مذہبِ اسلام کی رواداری اور بھلائی کا جذبہ بھی کار فرما تھا۔ جب کوئی مسلمان بن جاتا ہے تو اسکی کوئی چیز بھی اس کی اپنی نہیں رہتی۔ جان بھی خدا کی ہو جاتی ہے اور مال بھی اور وہ اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کے

کام آنے میں نیکی سمجھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سفید فام نہیں ہے

کیونکہ سب رنگ اللہ کے ہیں

آپ نے ایک سیاہ فام باکسر چیمپئن گڈ گیولین کے بارے میں سنا ہوگا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد ہی وہ بیروزگاری کا شکار ہوگیا۔ اور وہ بے چارہ جگہ جگہ تماشا دکھا کر روزی کمانے پر مجبور ہوگیا تھا۔ اخبارات میں اس کی بیکاری اور معمولی کام کرنے کے قصے کہانیاں چھپنے لگے۔ اور اسے احساس دلایا جانے لگا کہ وہ سابق چیمپئن ہوکر ایک حقیر کام کیوں کرتا ہے۔ جب میں نے اس کی روداد پڑھی تو مجھے بہت صدمہ ہوا تب میں نے گڈ گیولین کو بلا کر اپنے پاس ملازم رکھ لیا۔ کیونکہ میری غیرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ ایک سیاہ فام چیمپئن دردر کی خاک چھانتا پھرے۔ اب وہ پارکوں میں تماشا دکھانے کی ذلت سے بچ گیا۔ اور آبرومندانہ طور پر زیادہ کمالیتا ہے۔ یہ سب ہمارے مذہب کی رواداری ہے۔ جسے ہم نے اپنے بزرگوں سے سیکھا ہے۔

میرا خیال ہے سفید فام لوگ ہم مسلمانوں کو کوئی جلسہ جلوس دیکھ کر بلاوجہ گھبرا جاتے ہیں۔ ہم مسلمان امن پسند لوگ ہیں رواداری ہمارے مذہب کا حصہ ہے۔ ہم سے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہم تو اکٹھے ہوکر اپنا حال دل بیان کرتے ہیں۔ اور اپنی حق رسی کا سامان چاہتے ہیں۔۔ وہ آپ ہمیں دیجئے پھر دیکھئے کہ کسی سے بھی پیچھے نہ رہیں گے۔ جب آپ ۵۰ ہزار مسلمانوں کا اجتماع دیکھتے ہیں اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ وہ سب کے سب صاف ستھرے نظم وضبط کے پابند اور سب کے سب نستعلیق نظر آتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک مسلمان جامد شے نہیں ہے مگر آپ یہ کیوں فرض کرنے بیٹھ جاتے ہیں کہ اب ہر شے اپنی جگہ سے ہل جائے گی۔

سوال: وہ کیسے؟

جواب: امریکہ کے سیاہ فام لوگوں کو کبھی یہ معلوم نہیں تھا کہ اسلام کون سا مذہب

ہے یا حضرت یسوعؑ سیاہ فام تھے۔ مگر ہم انہیں سفید فام سمجھتے تھے۔ ہم یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ اصل میں ہم سیاہ فام ہی امریکہ کے اصل باشندے تھے۔ ہم سمجھتے رہے ہیں کہ سیاہ فام ہونے کا مطلب یہ تھا کہ ہم بدقسمت لوگ ہیں۔ ہم یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ تاریک براعظم افریقہ کے سیاہ فام لوگوں نے پھر اپنی حکومتیں قائم کر لی ہیں۔ اور انہوں نے اپنے سفید فام آقاؤں سے آزادی حاصل کر لی ہے۔ اور اب وہ ہمارے بھائی بن چکے ہیں۔

خدا سفید فام ہے۔ ہم کبھی نہیں جانتے تھے کہ خدا کا اصل نام یعنی اسم اعظم اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ سفید فام نہیں ہے کیونکہ سب رنگ اللہ کے ہیں۔

ہم اپنے اسماء ناموں کا مفہوم بھی نہ جانتے تھے۔ کیونکہ غلامی نے ہمیں جو نام دیا تھا۔ وہ ہمارے سفید فام آقاؤں کو بخشا ہوا تھا۔ اگر ہمارے آقا کا نام رابنسن تھا۔ تو ہم انسان ہوتے ہوئے بھی رابنسن کی ملکیت تھے۔ اور وہ ہمیں جون کے پاس فروخت کر دیتے تھے۔ تو پھر جون کی ملکیت قرار پاتے تھے۔ اگر آپ غلاموں کی منڈی سے نیلامی میں ولیم نے خرید لیا تب ہم ولیم کے غلام تھے۔ سو اس طرح ہماری شناخت اور ہمارا تعارف اپنے آقاؤں کے حوالے سے کیا جاتا تھا اگرچہ آج کل غلامی اور نیلامی کا ایسا کوئی تصور نہیں ہے۔ مگر ہمارے نام آج بھی غلامانہ ذہنیت کے آئینہ دار ہیں۔ کوئی جارج ہے تو کوئی واشنگٹن ہے۔ مگر یونہی ہم پر اصل حقیقت روشن ہو رہی ہے ہم جاگ رہے ہیں۔ تب ہم اپنے وہی پیارے نام اختیار کر لیں گے۔ تب جب کسی کے یہاں بچہ ہوگا۔ تو وہ اس کا نام احد رکھیں گے۔ احد کا معنی ہے ابتدا کرنے والا۔ اب ایک سیاہ فام عورت جس کا نام کانسٹینن یا باربرا ہے تب وہ اپنا اصل نام رکھ لے گی۔ جیسے رشیدہ، جمیلہ، ستینا العاسیہ۔ یہ نام افریقہ اور ایشیا کے ممالک میں سیاہ فام عورتوں اور مردوں کے ہیں۔ تب امریکہ کے سیاہ فام لوگ بھی ایسے ہی نام اختیار کر لیں گے۔ اب مجھے یہ بتانے کی اجازت دیجئے کہ کیوں؟

تو عرض ہے اگر میں مسٹر چیانگ چونگ یا لوچن کہتا ہوں تو یہ نام ظاہر کرتے ہیں کہ ان کا تعلق چین سے ہے۔ اگر میں مسٹر کاسٹرو یا مسٹر گونزالس کہتا ہوں۔ تب ذہن میں آتا ہے کہ ان ناموں کا تعلق سپین اور کیوبا سے ہے۔ اگر میں یہ کہتا ہوں کہ مسٹر وئنسین یا مسٹر گولڈ برگ تو ان ناموں کا تعلق یہودیوں سے ہوگا۔ اگر میں کہتا ہوں مسٹر مارننگ سٹار یا مسٹر رولنگ تھنڈر تو ان ناموں کا تعلق ہندوستان یا نیپال سے لگتا ہے۔ اگر میں کہتا ہوں مسٹر موبوٹو یا یا مسٹر کینیاٹا ظاہر ہے یہ افریقی نام ہے۔ جب میں کہتا ہوں مسٹر گرین، مسٹر واشنگٹن یا مسٹر جونز تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ نام سفید فام یا سیاہ فام لوگوں کے ہوں گے۔ آپ دیکھتے ہیں دنیا کے ہر فرد کا نام اس کی قومیت اور ملک کو ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں کا اپنا علم سکھاتا ہے۔

کیا آپ نے کبھی کسی سفید فام لو مبا سُنا ہے۔ یا کسی سیاہ فام افریقی کا نام رابنسن سنا ہے؟ آپ ہماری بیداری جو ہم میں مذہب اسلام نے پیدا کی ہے۔ آپ ان انقلابی تبدیلیوں کا ادراک نہیں کر سکتے۔ نہ صرف ہمارے نام جامع اور صوتی لحاظ سے دلنواز ہیں۔ بلکہ وہ معنی کے لحاظ سے پُر ارمغز ہیں۔

سوال: آپ کے نام کا کیا مطلب ہے؟

جواب: محمد کا مطلب ہے جس کی سب تعریفیں کی گئی ہیں۔ علی کا مطلب ہے سب سے اونچا و اعلیٰ۔ میرے نام کے بے شمار مسلمان بھائی اور بھی موجود ہیں۔ اور جن کے نام اسلامی نہیں۔ وہ اسلامی نام اختیار کر رہے ہیں۔ جیسے حسین شریف یا کریم شہباز اصل میں یہ ہمارے پہلے اور پرانے نام تھے۔ جب ہمیں غلام بنا کر امریکہ میں لایا گیا تھا۔ ہمیں کریم شہباز اور حسین شریف کی جگہ جارج یا جون کا نام دے دیا گیا تھا۔ کیونکہ سیاہ فام لوگوں کو اب تک یہ پتہ نہیں کہ خدا کا اصل نام اللہ ہے۔ جو سب کا پشتِ پناہ ہے۔ وہ اس کے آگے کیوں نہ جھکیں گے۔ جب میں کسی فام کنبہ کے بارے میں یہ سنتا ہوں کہ وہ مسلمان ہو گیا ہے۔ تو میری خوشی کی کوئی انتہا

نہیں رہتی۔ اگر آپ کو اس خوشی کے ادراک کا احساس ہو جائے تو آپ کو میری اس وجدانی خوشی کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہ ہوگا۔

سوال: کیا آپ تحریکِ اسلامی میں کوئی حصہ لینا چاہتے ہیں۔ جب آپ باکسنگ سے ریٹائر ہو جائیں گے؟

جواب: کیوں نہیں۔ اگر خدا نے مجھے عمر عطا کی تو میں وزیر بنوں گا۔ کیونکہ آج کل میں ایک مسلمان مذہبی روحانی پیشوا جناب ویلس ڈی محمد کے ساتھ مل کر کام کر رہا ہوں۔ جو عالی جاہ محمد کا بیٹا ہے۔ عالیجاہ محمد سیاہ فام امریکی مسلمانوں کے پیشوا تھے۔

سوال: کیا کبھی آپ نے اپنا مذہبی عقیدہ ترک کر دینے کے بارے میں بھی سوچا ہے؟

جواب: میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے ایسی سوچ سے مامون رکھے۔ اور ہر روز یہ دعا کرتا ہوں اور میں اس ذات واحد لاشریک کے آگے جھکتا ہوں۔ اور کہتا ہوں۔ اے اللہ! مجھے سیدھی راہ دکھا اور یہ وہ اللہ ہے۔ جس نے زمین بنائی، آسمان بنایا۔ جنت اور دوزخ بنایا۔ یقیناً میری عبادت، میرا ایثار، میری زندگی، میری موت سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ میری دعا لمبی ہوتی ہے اور ہر روز جاری رہتی ہے۔ میں پانچ وقت نماز پڑھتا ہوں جو مجھے سیدھے راستے پر چلاتی ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ نماز کی موجودگی میں میں اپنا ایمان کھو دوں۔ میں اللہ سے بھی اسی طرح مخاطب ہوتا ہوں۔ یعنی دعا کرتا ہوں جس طرح آپ سے باتیں کر رہا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ دعا ہم مسلمانوں کو اکٹھا رکھتی ہے اور ہم میں جماعت کا شعور پیدا کرتی ہے ہم مسلمان جب ایک جگہ نماز کیلئے جمع ہوتے ہیں تو ہمارے دلوں میں کسی کیخلاف کوئی نفرت نہیں ہوتی ہم کسی طبقے یا فرقے کے خلاف دہشت نہیں پھیلاتے۔ سگریٹ نوشی نہیں کرتے لڑتے جھگڑتے نہیں ہیں۔

چوری چکاری کی بات نہیں کرتے۔ہم سب خوش رہتے ہیں۔کیا یہ اسلام کا معجزہ نہیں ہے۔آپ نے اکثر غیر مسلم سیاہ فام لوگوں کو ان کے گھروں میں یا ان کے ہوٹلوں کلبوں میں دیکھا ہوگا۔وہ غل غپاڑہ و دنگا فساد و دھینگا مشتی کرتے نظر آتے ہیں۔کوئی شراب پی رہا ہوگا۔کوئی عورتوں سے خوش مستیوں میں لگا ہوگا۔غرض ان کی زندگی میں کوئی نظم و ترتیب نہ ہوگی۔مگر آپ نے میرے ٹریننگ کیمپ کو بھی دیکھا ہوگا۔کہ وہاں کتنا سکون اور نظم و ضبط ہے۔یہ سب اسلام کی تعلیم کا اعجاز ہے۔جب ہم مسلمان نہیں تھے۔تب ہم شراب و شباب رقص و سرود کے سوا کوئی بات نہ کرتے تھے۔مگر اب ہم نے اسلامی مرکز بنا کر اسے ہر آلائش سے پاک کر دیا ہے۔ہم آپکی طرح یہ نہیں کہتے کہ حضرت یسوع اپنے پیروکاروں کے گناہوں کا کفارہ ادا کر گئے ہیں۔گناہ تو انسان (خواہ اس کا کوئی بھی عقیدہ ہو) اس کا اپنا فعل ہے اور وہی اس کا جواب دہ ہے۔

سوال: کیا آپ نے عیسائیت میں کوئی جھول محسوس کیا ہے؟

جواب: عیسائیت کا فلسفہ حیات احسن طریق عمل ہے بشرطیکہ اس پر پوری طرح عمل کیا جائے۔مگ مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجیئے کہ اس کے مختار ایسے لوگ ہیں جو سفید فام ہیں اور وہی اسکے مبلغ ہیں۔مگر خود اسکے حامل نہیں ہیں وہ صرف اس فلسفہ کے تحت ایک نظام چلا رہے ہیں۔جو ضوابط کا پابند تو نہیں ہے مگر جسطرح چاہتے ہیں اسکی تعلیمات کے مختلف معانی نکال لیتے ہیں اگر سفید فام لوگ عیسائیت کی اصل اور سچی تعلیمات پر عمل پیرا ہو جائیں تو وہ موجودہ طرزِ عمل کو یکسر خیرباد کہہ دیں۔جس کے تحت انہوں نے مختلف پیمانے مقرر کر رکھے ہیں۔لیکن میں آپ کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ بات یورپ کے سفید فام عیسائیوں کی عادت و فطرت کے خلاف ہے کہ وہ اصل عیسائیت پر گامزن ہوں۔کیونکہ لڑائی مار کٹائی کا جزو ان کی گھٹی میں پڑا ہے۔جرمنوں کو دیکھئے فرانسیسیوں پر نظر کیجئے کسی بھی یورپی قوم کو دیکھئے

وہ دنیا کو اب تک دو عالمگیر جنگوں کے علاوہ بے شمار چھوٹی موٹی جنگوں میں جھونک چکے ہیں۔ جب کہیں جنگ نہ ہو رہی ہو تو وہ اپنے ہی ہم وطنوں کے قتل و غارت گری پر آجاتے ہیں۔ جب یہ بھی نہ ہو تو وہ ریڈ انڈین کو مارنے لگتے ہیں جب یہ نہ ہو تو رینڈیئر کا شکار کرنے لگتے ہیں۔ غرض وہ ہر جاندار شے کے مارنے پر کمر بستہ رہتے ہیں۔ ان کی نظر سے ہاتھی بھی نہیں بچتے ہر سال ہزاروں کی تعداد میں ان کا ڈھیر لگا دیتے ہیں جو نسل دہشت اور جنگ پر ہر وقت آمادہ رہتی ہو۔ کیا اس سے بہتری کی توقع رکھی جا سکتی ہے۔

مسلمان عورتیں مردوں کے بالادستی کے خلاف نہیں ہیں

البا ما اور جارجیا ہمارا ہے۔

ہم مسلمان مذہب اسلام پر کاربند ہیں۔ ہم منافقت سے کام نہیں لیتے ہم ہر چیز کو نیکی کے نقطہ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ہم اللہ کی رضا کے لئے اعتراف کرتے ہیں۔ ہم سور کا گوشت نہیں کھاتے۔ ہم غیر کے نام کا ذبیحہ قبول نہیں کر سکتے۔ ہم نشہ آور اشیاء استعمال نہیں کرتے۔ ہم مسلمانوں کے بارے میں دنیا جانتی ہے۔ کہ ہم خواتین کی عزت کرتے ہیں۔ آپ ہماری مسلمان بہنوں کو دیکھیں وہ سرتاپا پردہ ہمیں مستور ہوں گی۔ وہ جسمانی نمائش کو گناہ سمجھتی ہیں۔ مگر آپ امریکی معاشرہ کی بعض عورتوں کو دیکھئے وہ خلافِ معمول لباس پہنتی ہیں۔ وہ جسمانی نمائش میں خوبی سمجھتی ہیں۔ وہ منی سیکرٹ اور ہاٹ پینٹس پہنتی ہیں۔ مگر ہماری عورتیں ایسا لباس نہیں پہنتیں۔ کیونکہ وہ خدا کے حکم پر اپنی زیب و زینت کو چھپاتیں ہیں۔ وہ جدید طرز زندگی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں۔ مگر دنیا کے کسی بھی مذہب یا معاشرہ کی عورت مسلمان عورتوں جیسا طرز فکر نہیں اپنا سکتیں۔ آپ نے عیسائی بہنوں کو دیکھا ہے۔ وہ تانک جھانک کو مشغلہ سمجھتی ہیں۔ وہ غیر محرم عورتوں سے گھلنے ملنے کو برا نہیں سمجھتی ہیں وہ جنسی دیوانگی میں مبتلا ہیں اور یہ بات قوانین قدرت کے خلاف ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سارے پریسٹ پادری اور ربی علماء ایک جیسے ہوتے ہیں مگر ان میں ان کے بارے میں آپ کی لکھی گئی کتابوں (نان فیکشن) میں پڑھا ہے اور اکثر کو یہ کہتے سنا ہے کہ وہ یسوعؑ کے نام یا سنت پر تجرو کی زندگی گزار رہے ہیں اور انہوں نے تمام زندگی میں کسی عورت کا سایہ بھی اپنے اوپر نہیں پڑنے دیا۔ مگر ان کے نجی روز وشب کس طرح گزارتے ہیں۔ کیا تجرو کی زندگی گزارنا مظاہر قدرت اور قوانین فطرت سے انحراف نہیں ہے۔

سوال: ان باتوں کا جواب آپ کو یقیناً کیتھولک عیسائیوں کی طرف سے ملے گا اور میں پریسٹ نہیں ہوں (لینڈ رمین نے جواب دیا، تاہم آپ مجھے بتائیے کہ مسلم معاشرہ میں مردوں کی نسبت عورتوں پر کیوں زیادہ پائیدار ہیں۔

جواب: مسلمان عورتوں پر پابندیاں ہونی چاہئیں۔عورتوں کو جنس کی علامت جو ٹھہرایا گیا ہے۔کیونکہ عورتوں اور مردوں کی ساخت میں جو فرق فطرت نے رکھا ہے۔وہ اس بات کا مقتضی ہے کہ ہر ایک کا دائرہ کار محدود کر دیا گیا ہے۔

سوال: کیا آپ سے دنیا بھر کی عورتیں دلچسپی نہیں رکھتیں؟

جواب: مجھے نہیں پتہ اور نہ میں یہ پتہ چلانے کی جستجو رکھتا ہوں۔

دنیا میں جس قدر عریانی پھیلتی ہے اس کا سبب عورت ہے کیا کبھی آپ نے کسی مرد کو بھی برہنہ لباس میں دیکھا ہے ظاہر ہے اس کا جواب نفی میں ہے۔تو اب مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ عورتوں پر پابندیاں لگانا کیوں ضروری ہے۔

سوال: لیکن ایک مرد ایسی پابندیاں اور ضوابط کیوں وضع کرتا ہے؟

جواب: کیونکہ اسلام کی تعلیم کے مطابق ایک مرد باہر کی دنیا کا مختار ہے اور جب کہ عورت گھر کی نگہبان ہوتی ہے اسے گھر سے باہر آ کر مرد کی دنیا میں مداخلت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

سوال: ہم عام طور پر عورتوں کی آزادی کے بارے میں سنتے ہیں اور اس تحریک کی رہنما عورتوں کی طرف سے اپنی بہنوں کو یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ مردوں کی بالادستی کے خلاف اٹھ کھڑی ہوں۔

جواب: مگر مسلمان عورتیں مردوں کی بالادستی کی مخالف نہیں ہیں۔یہ بات عیسائی عورتیں کہتی ہیں۔مسلمان عورتیں تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتیں۔اور نہ ہم انہیں اس بات کی اجازت دے سکتے ہیں کہ وہ اپنے ہی مردوں کے خلاف بغاوت پھیلا دیں۔وہ ہمارا حکم مانتی ہیں۔اور جب ایک مسلمان لڑکی بلوغ کو پہنچ جاتی ہے۔تو وہ

بے حیائی سے چلنے کو گناہ سمجھتی ہے۔ اور اپنی تہذیب و زینت کو چھپاتی ہے۔ آپ گھوڑوں، کتوں اور خچروں سے پردے کی توقع تو نہیں کر سکتے۔ یہ توقع آپ کو انسانوں ہی سے کرنی چاہیے۔

سوال: کیا آپ ایک مسلمان عورت کے ملازمت کرنے کے حق میں ہیں یا اسے باورچی خانے اندر رکھنے کے حق میں ہیں۔

جواب: آپ نے دیکھا ہوگا کہ اکثر سیاہ فام عورتیں مختلف دفاتر اداروں میں کام کرتی ہیں۔ مگر وہ اپنے ہی ہم نسل بھائیوں کے ساتھ کام کرتی ہیں مگر آپ نے نیویارک یا اس کے نواح میں کسی سفید فام ملکیتی، تجارتی ادارہ یا دفتر میں کسی سیاہ فام عورت کو شاذ ہی ملازم دیکھا ہوگا۔ تاہم جو سیاہ فام عورتیں سفید فام دفاتر میں کام کرتی ہیں وہ شریفانہ اطوار کی حامل ہیں۔ انہیں اپنی عصمت کا پاس ہوتا ہے اور ہم اپنی عورتوں کی عزت و عصمت کے پاسباں ہیں اگر ہم ان کی عصمت کی پاسبانی نہ کریں تو گویا ہم ایک قوم کی پاسبانی سے دستبردار ہو جائیں کیونکہ ایک عورت ایک قوم کی بنیاد رکھتی ہے۔ اگر بنیاد غلط رکھ دی جائے تو تمام قوم غلط ہو جائے گی۔

دو ماہ پہلے کی بات ہے کہ میں شکاگو میں تھا۔ میں ایک ہوٹل میں بیٹھا تھا میں نے ایک جوڑے کو دیکھا جو ایک سیاہ فام لڑکی اور سیاہ فام لڑکے پر مشتمل تھا۔ وہ دو تین گھنٹے تک ایک کمرے میں بیٹھے رہے۔ مگر میں نے دیکھا اسی ہوٹل کے ہال میں بے شمار مرد بیٹھے تھے۔ مگر کسی نے ان کی مجلس پر تعارض نہ کیا۔ حالانکہ ان دونوں کو سنگسار کیا جانا چاہیے تھا۔ کیا کوئی مرد اپنی ماں بہن یا بیٹی کو کسی غیر مرد کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے کی اجازت دے گا۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ سفید فام معاشرہ عورتوں مردوں کے آزادانہ تعلقات پر کوئی پابندی کوئی احتجاج نہیں کرنا چاہتا۔ مگر مسلمانوں میں کوئی اپنی مسلمان بہن کو چھونے کا تصور نہیں کر سکتا اگر کوئی سفید فام مسلمان عورت سے چھیڑ خانی کرتا ہے تو اسے جہنم رسید کر دیا جاتا ہے۔

سوال: آپ تو سفید فام نسل پرست لیڈروں کی طرح باتیں کر رہے ہیں۔ جو آپ جیسے خیالات سفید فام عورتوں کے بارے میں رکھتے ہیں۔ کیا آپ قانون کے بغیر سیاہ اور سفید نسل کے تعلقات پر سزا دینے کا یقین رکھے ہیں۔

جواب: ایک سیاہ فام مرد اگر وہ کسی سفید فام عورت سے نامہ و پیام کی کوشش کرتا ہے۔ تو اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ امریکی معاشرہ میں میں نے ایسی متعدد مثالیں دیکھی ہیں اور میں نے تو یہ بھی دیکھا ہے اگر کوئی حبشی گوری عورت کی طرف دیکھنے کی جسارت کر بیٹھتا ہے۔ تو اس کی آنکھیں نکال دی جاتی ہیں۔ جب کہ ہماری عورتوں کی بے حرمتی کی جاتی ہے۔ کتابوں، کلبوں، سینما موویز تھیٹروں اور ہوٹلوں میں ان پر آوازے کسے جاتے ہیں۔ اور یہ صورت حال کس قدر دل گرفتہ ہے۔ مگر ایک سفید فام فرد کو اس پر کوئی اظہار افسوس و معذرت نہیں ہوتا۔ حد یہ ہے کہ آپ صدر امریکہ تک شکایت لیجائیں مگر وہاں سے بھی مداوے کی کوئی صورت نہیں کی جاتی۔ آپ ایف بی آئی سے رابطہ قائم کر کے دیکھ لیں نتیجہ ڈھاک کے تین پات سے زیادہ نہ نکلے گا۔

سوال: اگر ایک مسلمان عورت ایک نامسلم سیاہ فام یا سفید فام مرد کے ساتھ آوٹنگ یا ڈیٹنگ کرنا چاہتی ہے تو پھر آپ کیا کریں گے؟

جواب: اُسے مرنے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔

سوال: کیا مسلمان عورت آپ کی زرخرید غلام کا درجہ رکھتی ہے؟

جواب: ہماری کوئی عورت سفید فام یا غیر مسلم سیاہ فام مرد سے تعلق رکھنا نہیں چاہتی۔ جی نہیں مسلمان عورتیں ہماری زرخرید غلام کا درجہ نہیں رکھتیں۔ مگر جب وہ ہمارے حبالہ نکاح میں آجاتی ہیں تو انہیں خدا کے بعد ہماری ہر بات کو ماننا پڑتا ہے۔ اور وہاں اگر کوئی عورت اپنے عقیدہ سے منحرف ہو جائے تو ہم اسے جانے کی اجازت دیتے ہیں۔ اب یہ اس کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ جو جی چاہے کرے۔ تاہم

میرا دعویٰ ہے اگر تمام سیاہ فام امریکی اسلام قبول کرلیں تو ترقی کے دروازے ان پر کھل جائیں جن کا وہ اب تصور بھی نہیں کر سکتے۔

سوال: اگر ایک سال کے اندر اندر تمام سیاہ فام امریکی مسلمان بن جائیں تو آپ کے خیال میں پھر کیا ہوگا؟

جواب: میرا خیال ہے کہ صدر فورڈ فوری طور پر ہمارے رہنماؤں کو وائٹ ہاؤس سے پیغام بھجوائیں گے اور ہمارے ساتھ مذاکرات کریں گے اور ہم سے پوچھیں گے کہ ہم کن امریکی ریاستوں کو اپنا متوطن بنانا چاہتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے یہ تنہا محمد علی کی آواز نہیں ہے بلکہ تمام نیگروز کی آواز ہے۔

سوال: کیا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مسلمان مذہبی رہنماؤں کی سپرداری میں کچھ ریاستیں دے دی جائیں؟

جواب: شاید دے دی جائیں گی یا نہیں دی جائیں گی۔ تاہم آپ امریکہ کو چاہیے کہ وہ جارجیا، البامہ، ٹینی سی اور کناچکی سے اپنا بوریا بستر گول کرلے کیونکہ ہم وہاں ایک آزاد ملک کے شہری کے طور پر رہنا جانا چاہتے ہیں اور رہنا چاہتے ہیں۔ اگر ہمارے ملک میں سفید فام لوگ آنا چاہیں تو انہیں پاسپورٹ لے کر آنا چاہیے اگر وہ تجارت کرنا چاہیں یا اسے چھوڑنا چاہیں تو اس کیلئے انہیں ہم سے اجازت لینی ہوگی۔ میری خواہش ہے کہ مرنے سے پہلے میں اپنی زندگی میں یہ واقعہ دیکھ لوں۔ اب مجھے اس بارے میں آپ سے پوچھنا ہے۔

جناب لینڈ رمین نے جناب محمد علی کو اس بات کا بڑا ذومعنی جواب دیا کہ شوٹ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم امریکی یا تو اس صورت حال پر گولی چلائیں گے یا پھر نقل مکانی کرنے والوں کی تصاویر کھینچیں گے۔ مگر محمد علی نے گولی کا جواب تصویر سے لیا۔ کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ میں جاذب نظر شخصیت کا مالک ہوں۔

اگر آپ ایسا سمجھتے ہیں تو میں آپ کو منع نہیں کرسکتا۔ مجھ کو دیکھ میں کیسا لگتا ہوں،

اچھا ہوں یا بڑا ہوں۔ مگر میرا چہرہ بڑا پُر جلال ہے۔ میں زندگی کے جمال پر فریفتہ ہوں۔ ایک انسان بالخصوص مجھ ایسے باکسر چیمپئن کے لئے دل کشی و جاذبیت برقرار رکھنا کارے وارد ہے۔ کیونکہ لڑے وقت جسم کا ہر حصہ حریف کی زد میں ہوتا ہے۔ مجھے باکسنگ رنگ میں اترے ہوئے بائیس برس گزر چکے ہیں میں اب باکسنگ سے تھک گیا ہوں۔ میری عمر ۳۳ برس ہے میں زیادہ سے زیادہ ۶۶ برس مزید پاؤں گا۔ یہ اللہ جانتا ہے میں اب پہلے کی طرح نہیں لڑ سکتا ہوں۔ جیسا کہ آج سے آٹھ دس برس قبل لڑا کرتا تھا۔ لیکن میں پھر بھی پہلے کی طرح لڑنے میں کامیاب رہتا ہوں۔ (یہ بھی خدا کا فضل و کرم ہے) میں بالعموم پندھوریں راؤنڈ تک کھیلنے میں رقص کرتا رہتا ہوں۔ اُچھلتا کودتا رہتا ہوں۔ مگر اب میں چھٹے راؤنڈ بعد تھکن کا احساس دامن گیر پاتا ہوں۔ شاید میں اب گیارہویں یا بارہویں راؤنڈ سے زیادہ رقص نہ کر سکوں گا۔ تاہم میں اپنی مہارت کو ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ اگرچہ اب مجھے اس لئے زیادہ محنت کرنا پڑتی ہے۔ وزن کو بڑھنے سے روکنا بڑی مشکل بات ہے۔ میں وزن کو مناسب مقدار تک رکھنے میں ہر روز دو میل تک دوڑ لگاتا ہوں۔ اس کے بعد میں ہر روز جمنیزیم میں آکر دو بیگ تھیلوں کو مکہ رسید کرتا ہوں۔ ہفتہ میں چار دن تک میری یہی مصروفیت ہوتی ہے میں سمجھتا ہوں کہ میں صحیح خوراک استعمال کرتا ہوں۔ مگر نہیں میں جو خوراک کھاتا ہوں۔ وہ زیادہ مقوی سے میں عام طور پر کافی شاپ پر جا کر گوشت سٹیک لانے کا آرڈر دیتا ہوں۔ منجمہ سٹرابری کو مکھن کے ساتھ استعمال کرتا ہوں اس کے ساتھ کسی بھی پھل کا رس پیتا ہوں اور آخر میں ایک گلاس ٹھنڈے دودھ کا پیتا ہوں اور عام طور پر دوپہر کو میک ڈونلڈ پر جا کر پنیر سے بنی روٹی اور چاکلیٹ ملے دودھ کو استعمال کرتا ہوں اور جب میں اپنا وزن کرتا ہوں تو وہ پہلے سے ایک پاؤنڈ بڑھ چکا ہوتا ہے۔ حیرت ہے بعض بہت بسیار خور ہوتے ہیں۔ مگر وہ اپنا وزن نہیں بڑھا سکتے مگر اتنی مقوی خوراک کھانے کے باوجود میں اپنا پیٹ نہیں

بڑھنے دیتا۔لیکن جن دنوں میں مشق کرتا ہوں ان دنوں میں اُبلا ہوا گوشت، مچھلی، مرغ تازی سبزیاں اور سلاد استعمال کرتا ہوں۔اس دوران اپنی مرغوب اشیاء سے مجتنب رہتا ہوں۔

سوال: کیا آپ نے مشق کے علاوہ اپنے دیگر مشاغل کو منقسم کر رکھا ہے؟

جواب: بالکل میں ہر صبح پانچ یا چھ بجے سو کر اُٹھتا ہوں اور دو میل تک دوڑ لگاتا ہوں۔لیکن میں دوسرے باکسروں سے یکسر مختلف مشق میں یقین رکھتا ہوں۔ میں اپنے زیر مشق ساتھیوں سے کہتا ہوں کہ وہ مجھ پر سو میں سے اسی مکے رسید کریں اس دوران میں مدافعتی انداز اختیار کرتا ہوں اپنے سر کو مکوں کی زد سے بچاتا رہتا ہوں۔ اور مجھے ایسا کرتے ہوئے مسرت محسوس ہوتی ہے۔

میرے بعد باکسنگ ختم ہو جائے گی

میں اس وقت روئے زمین پر واحد سیاہ فام چیمپئن ہوں

سوال: کیا آپ ہمیشہ مشق کے دوران آسانی محسوس کرتے ہیں؟

جواب: آسانی نہیں بلکہ میں چستی محسوس کرتا ہوں۔ جب میں اپنے جمنیزیم میں مشق کے لئے قدم رکھتا ہوں تو یہی سمجھتا ہوں کہ حریف کے مقابلہ کے لئے جا رہا ہوں۔اور مجھے اسے ہرانا ہے۔

مگر میرے حریف مختلف ہیں۔ان کے لڑنے کا انداز بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔بطور مثال جرگن بلن رُوڈی لو برمیک فاسٹر اور لیوس وغیرہ کے مقابلہ کے لئے ہر بار مختلف انداز میں مشق کرنا پڑی تھی۔اسی طرح جوبگنر۔ران لائل وغیرہ ہیں۔ان کا انداز مختلف ہے۔یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میں حریف کو نیچا دکھانے کے لئے کس طرح مشق کرتا ہوں۔کیونکہ میں اپنے فن کا امام ہوں۔اصل چیز یہ ہے کہ آپ میری کارکردگی دیکھئے مقابلے کی اس رات جب رنگ میں اترتا ہوں پھر دیکھئے ریفری کے ساتھ ساتھ لوگ میری کون کون سی خوبی گنتے ہیں۔کیونکہ اس وقت روپیہ میز پر پڑا ہوتا ہے۔اور جیت کا جھنڈا کونے میں دھرا ہوتا ہے۔

سوال: آپ کتنے عرصہ تک اپنے عالمی ویٹ چیمپئن اعزاز کو برقرار رکھنے کا عزم رکھتے ہیں۔

جواب: میں تو آج ہی چیمپئن شپ سے دستبردار اور باکسنگ سے ریٹائر ہونے کو پسند کرتا ہوں۔لیکن اس راہ میں بہت سی چیزیں حائل ہیں جو مجھے کرنی ہے کیونکر ہر مسلمان پر اپنے ہم نسل بھائی کا بوجھ پڑا ہے۔اور ہیوی ویٹ چیمپئن ہونے کے واسطہ سے مجھ پر یہ بوجھ کچھ زیادہ ہی ہے۔کیونکہ میں اس وقت روئے زمین پر واحد سیاہ فام چیمپئن ہوں۔اور مجھ پر سب سے زیادہ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔جنہیں

میں نے نبھانا ہیں۔ اس لئے میں نے ریاست اوئیو کے شہر کلیولینڈ میں ۵۰۰۰۰۰۰۰۰۰ ڈالر کے صرفہ سے سیاہ فام لوگوں کی بہبودی کے لئے شاپنگ سنٹر خریدا ہے۔ اس میں چالیس کمرے ہیں جنہیں ہم کرایہ پر دے سکتے ہیں۔ اور اس شاپنگ سنٹر کے ذریعے بے شمار سیاہ فام لوگوں کو روزگار بھی مہیا کیا گیا ہے۔ اور میں نے اٹلانٹا میں ایک سُپر مارکیٹ بھی خریدی ہے۔ جہاں ڈیڑھ سو نیگروز کو روزگار دیا گیا ہے۔ اب میرا ارادہ میامی اور فلوریڈا میں عمارات خریدنے کا ہے۔ کیونکہ وہاں سیاہ فام لوگوں کے لئے کوئی اعلیٰ ہوٹل یا معیاری ریستوران نہیں ہے۔ اگر مجھے نہ ملا تو وہاں کوئی شاندار ریستوران ضرور تعمیر کراؤں گا۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ میامی بیچ پر واقع بعض ہوٹلوں اور کلبوں کے باب الداخلہ پر لکھا ہوتا ہے کہ کسی یہودی کو اندر آنے کی اجازت نہیں۔

جب یہودیوں نے اپنے ساتھ روا رکھے جانے والا تحقیر آمیز رویہ دیکھا تب انہوں نے اس پر خاصا ہنگامہ برپا کیا۔ آخر کار انہوں نے اپنی نسل کے مفاد میں تمام میامی بیچ کو ہی خرید لیا۔ اگر یہودی ایسا کر سکتے ہیں تو ہم سیاہ فام لوگوں کو ایسا کرنے کا اختیار ہے۔ ہم بھی اپنے وسائل مادی و مالی جمع کر کے ایسی نظیریں قائم کر سکتے ہیں۔ ہم مسلمانوں کی تحریک بھی یہی ہے کہ ہم یکجا ہو کر اپنے لئے بہتری کے سامان مہیا کریں۔ اگر چہ میں بھی ایک معمولی سیاہ فام فرد ہوں مگر معجزانہ طور پر لڑنے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔ اور اس کا اظہار بھی کرتا ہوں۔ اور میں چاہتا ہوں کہ اپنی ایک ایک پائی کو اپنے ہم نسل لوگوں کی بہبودی پر صرف کر ڈالوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ مجھے باکسنگ مقابلوں سے کثیر آمدنی ہوتی ہے۔ مگر حکومت امریکہ کو ٹیکس بھی لاکھوں کے حساب سے ادا کرتا ہوں۔ بلاشبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے اور ہم آگے بڑھ رہے ہیں۔ کیا آپ نے نیویارک میں واقع ہمارے وسیع علاقہ ہارلم کے لیونیکس چوک کو دیکھا ہے۔ ہم نے وہاں کیسی شاندار عمارتیں، دکانیں اور ریستوران تعمیر کئے ہیں

اور میں نے جارج فورمین سے مقابلہ کے بعد اس علاقہ کی بہبودی کے لئے ۴۰۰۰۰۰۰ ڈالر صرف کرنے کا منصوبہ بنا رکھا ہے۔ امریکہ کو خوبصورت بنانے میں یہ میرا ادنیٰ سا حصہ ہے۔ حکومت کہتی ہے کہ وہ ہم سیاہ فاموں کی بہتری کے لیے کروڑوں ڈالر صرف کرتی ہیں۔ ہمیں تو پتہ نہیں چلتا کہ وہ ڈالر کدھر جاتے ہیں۔

سیاہ فاموں کی بہبودی کیلئے کئے جانے والے اقدامات کی تفصیل عنقریب اخباروں میں آنا شروع ہوجائے گی۔ میں اپنے تمام وسائل کو اپنے بھائیوں کے لئے مختص کرنا چاہتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں اپنے عالمی اعزاز کو برقرار رکھنے کی ہر ممکن سعی کرتا ہوں۔

سوال: آپ نے ابتدائی گفتگو میں ابھی بتایا تھا کہ بڑھتی ہوئی عمر آپ کی مہارت کو متاثر کر رہی ہے۔ جب آپ کی عمر ۳۸ برس ہوجائے گی تو کیا اس وقت بھی آپ چیمپئن شپ کے لئے لڑتے رہیں گے۔؟

جواب: کیوں، باکسر جرسی جوالکائٹ نے ۳۷ برس کی عمر میں ٹائٹل جیتا تھا۔ شوگر رے رابنسن چالیس برس کی عمر تک لڑتا رہا۔ اور آرکی مور تو پچاس برس کی عمر تک لڑتا رہا ہے۔

سوال: کیا آپ بھی اپنے پیشے کو خیرباد کہنے میں ایسا ہی طریقہ اختیار کریں گے؟

جواب: آرکی مور نے ابھی تک جی نہیں چھوڑا۔ اور وہ اب بھی ذہین باکسر شمار ہوتا ہے۔ فورمین کی سوچ ہے کہ وہ مجھے پیٹ سکتا ہے۔ پانچ سال گزرنے کا مطلب یہ تو نہیں کہ میں اکیاون برس کا ہوجاؤں گا۔ اور میں اپنی مہارت کھو بیٹھوں گا۔ آپ کو یاد ہوگا ساڑھے تین برس تک ہائی کلاس باکسنگ میں حصہ لینے سے محروم رہا ہوں۔ اور میرا اعزاز چھین لیا گیا تھا۔

نوٹ: محمد علی نے ویت نام کی جنگ میں حصہ لینے سے انکار کر کے امریکی حکومت کے حکم کو روک دیا تھا۔ متذکرہ واقعہ اسی بات کی طرف اشارہ ہے، اس کے باوجود میں

ہاتھ پیر توڑ کر نہیں بیٹھ گیا تھا۔ ساڑھے تین سال کے عرصہ میں مشق کرتا رہا ہوں۔ امریکہ بھر میں گھومتا پھرتا رہا ہوں۔ اور میں اپنے عزم کو مستحکم کرتا ہوں۔ عمر میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ اب میں ایسے ساڑھے تین برسوں کو دوبارہ اپنے دروازے پر دستک دینے کی اجازت نہیں دے سکتا۔

سوال: کیا اس عرصہ نے آپ کو یا آپ کی زندگی کی تلخ اور ناگوار بنا دیا تھا؟

جواب: میں نے کوئی ناگواری یا تلخی محسوس نہیں کی تھی۔ میرا تمام تر وقت سیاہ و سفید لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے گزرتا رہا تھا۔ اور سفید فام لوگ بھی میرے موقف کے حامی تھی۔ کیونکہ ویت نام کی جنگ میں شرکت سے میرے انکار کو تمام طبقوں نے بیحد سراہا تھا۔ اس دوران میں خوش و خرم روز و شب گزارتا رہا ہوں۔ بطور ایک مقرر کے میں نے امریکہ بھر میں بے پایاں شہرت حاصل کی تھی۔ اور ہر تقریر کا معاوضہ پندرہ سو ڈالر سے پچیس سو ڈالر تک پاتا رہا ہوں۔ اور میں ہفتہ بھر میں پچاس ہزار ڈالر کما لیا کرتا تھا۔ اس دوران امریکہ کی باکسنگ اتھارٹیز پر دباؤ ڈالتا رہا ہوں تا کہ وہ اپنا نا منصفانہ فیصلہ واپس لے۔ میں ہر بات میں مداخلت کر کے اپنے موقف کی حقانیت منواتا رہا ہوں۔ میں ہر کسی کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ میں وہی محمد علی ہوں۔ آپ نے دیکھا ہوگا۔ رفتہ رفتہ میرے مخالف بھی میرے ساتھ ہو گئے تھے۔ جب سپریم کورٹ نے میرے حق میں فیصلہ دے دیا تھا۔ تو باکسنگ اتھارٹیز کے پاس پابندی برقرار رکھنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہا۔ یہ میری فتح نہیں تھی۔ سچ کی فتح تھی۔ امریکہ کے ہر طبقہ خیال نے مجھے مبارکباد دی۔

سوال: آپ ویت نام جنگ میں انکار پر ملامت آمیز خطوط بھی تو آئے ہوں گے۔

جواب: جی ہاں! ہر تین سو خطوط میں سے صرف ایک جب کہ ۲۹۹ میرے حق میں ہوتے تھے۔ میرے پاس وہ تمام خطوط موجود ہیں۔ میں نے انہیں بطور ریکارڈ محفوظ کر لیا ہے۔ تاوقتیکہ جب میں بوڑھا ہو جاؤں گا۔ اور اپنے پوتے پوتیوں کو یہ

خطوط دکھاؤں گا انہیں پتہ چل جائے کہ سچ بات کو کہنے اور نبھانے میں کتنی جی داری، حوصلے اور صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ تاہم یہ درست ہے کہ ہر عہد یدار ہر نسل میں اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ اور بُرے بھی ہوتے ہیں۔ ان کی اپنی رائے ہے۔ اور وہ کوئی بھی بات کرنے میں آزاد ہوتے ہیں۔

سوال: اس سفید فام امریکی رائے عامہ کے بارے میں آپ کے کیا محسوسات ہیں جو آپ کے موقف کی حامی تھی۔ کیا آپ کو خوشگوار حیرت نہ ہوئی۔

جواب: یقیناً ہوئی تھی۔ اور مجھے امریکی رائے عامہ کے جذبات کا بے حد احترام تھا۔ آپ بتائیے ویت نام کی جنگ کوئی عالمگیر جنگ تو نہ تھی۔ یا امریکہ پر کسی دشمن طاقت نے حملہ تو نہ کر دیا تھا۔ اگر میں ویت نام کی جنگ میں چلا جاتا تو پورا امریکہ جو اس جنگ کے خلاف تھا۔ کیا میرا یہ اقدام اس کی خوشنودی کے مطابق ہوتا۔ امریکہ کی نئی نسل جنگ ویت نام کے یکسر خلاف تھی۔ پوری دنیا کی رائے عامہ امریکی اقدامات کے خلاف تھی۔ اور میں جن لوگوں سے تعلق رکھتا ہوں انہیں غلام کہا جاتا ہے۔ کیا ایک غلام بھی لڑتا ہے۔

بہر حال میں جس مذہب اسلام سے متعلق ہوں اس مذہب کی حدود لامحدود ہیں اللہ تعالیٰ کا کلام قرآنِ مجید ہمیں ہدایت کرتا ہے کہ ہم بے گناہوں کے خون سے ہاتھ رنگنے سے باز آئیں۔

اگر امریکہ نے کسی ملک کے خلاف اعلان جنگ کیا ہوتا تو میں یقیناً ہم وطنوں کے شانہ بشانہ لڑ رہا ہوتا۔

سوال: کیا آپ امریکہ کے اعلان جنگ کی صورت میں ملک کی خدمت دفاع میں پیش پیش ہوتے۔

جواب: جیسا کہ میں ابھی کہہ چکا ہوں۔ اگر امریکہ پر حملہ کر دیا ہوتا اور غنیم اس کے گلی کوچوں میں دندناتا پھرتا۔ قدرتی طور پر میں بھی رائفل اٹھا چکا ہوتا۔ میں

امریکہ کے ساتھ ہوتا اور دشمنوں کو مار بھگانے میں کوئی دقیقہ فرد گذاشت نہ کرتا۔ میں اپنے ملک کے لئے لڑتا۔ اپنے ہم وطنوں اور اپنے بچوں کے لئے لڑتا۔

سوال: جب آپ کو ۱۹۷۰ء میں باکسنگ میں حصہ لینے کی اجازت دی گئی۔ تب لوگوں نے آپ کو رنگ میں دیکھا کہ آپ اپنی سپیڈ رفتار کارکردگی اور ٹائمنگ توقف کھو چکے ہیں۔

جواب: قطعا کچھ نہیں مجھ میں دونوں چیزیں پہلے جیسی کارفرما تھیں۔ اس وقت میں جیری کیوئیری سے لڑا تھا۔ اگر چہ میں اس کے ساتھ پہلے بھی لڑ چکا ہوں۔ مجھے ایسا کوئی احساس نہیں ہوا کہ میری سپیڈ اور ٹائمنگ متاثر ہو چکا ہے۔ پھر میں نے اس بات کی تصدیق کے لئے جیری کے ساتھ اپنے مقابلہ کی وہ فلم دیکھی تو میں نے اس کے ساتھ پانچ سال والے پہلے مقابلہ میں کوئی فرق نہیں محسوس کیا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ میں ایک طویل عرصہ سے چیمپئن چلا آرہا ہوں جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔ ہر باکسر کی نفسیات اور اس کے لڑنے کا انداز کا بغور مطالعہ کرتا ہوں۔

اگر میں سال میں صرف دو بار لڑوں تو میرا عالمی اعزاز مزید طویل عرصہ تک برقرار رہ سکتا ہے اگر ایک سال میں صرف دو مقابلے ہوں ان سے آمدنی یقینی طور پر ۵۰۰۰۰۰۰۰ ڈالر ہوگی اور میں حکومت کو ٹیکس کی صورت میں خطیر رقم بھی ادا کر سکتا ہوں۔ اگر چہ میں ٹیکس اب بھی ادا کرتا ہوں۔

سوال: جب آپ نے باکسنگ شروع کی تھی تب تو باکسنگ مقابلوں سے اتنی آمدنی کا کوئی تصور موجود نہ تھا کیا آپ کو کبھی اس امر پر حیرت بھی ہوئی ہے کہ اب آپ صرف ایک گھنٹے میں ۵۰۰۰۰۰۰۰ ڈالر کما لیتے ہیں۔

جواب: مجھے اس بات پر کبھی حیرت نہیں ہوئی کیونکہ جب میں باکسنگ کھیلنا ترک کر دوں گا تب باکسروں کو کبھی مجھ سی مقبولیت اور آمدن نصیب نہ ہوگی۔ میں

ایک گھنٹے میں جو لاکھوں کروڑوں ڈالر بنالیتا ہوں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے کھیل کی پوری دنیا تماشائی ہے۔میرا کھیل دنیا کے جس ملک میں بھی ہوتا ہے پوری دنیا کو اس ملک کے بارے میں معلومات حاصل ہو جاتی ہیں۔پبلسٹی اور پراپیگینڈے کا اس سے نادر موقع اور کیا ہوسکتا ہے۔جو لوگ میرے کھیل کے انعقاد کا انتظام کرتے ہیں وہ دنیا کے امیر ترین لوگ ہوتے ہیں یا پھر وہ تیسری دنیا کے سیاہ فام ممالک کے امیر ترین لوگ رچ آئیل من زائرے میں جارج فورمین کے ساتھ مقابلہ کا انصرام ایک سیاہ فام شخص نے کیا تھا۔میرے وہاں مقابلے سے زائرے کو بے حد پبلسٹی ملی تھی۔زائرے پر جب سفید فام بیلجیئم کا قبضہ تھا۔واضح رہے یہ ملک بیلجیم کا مقبوضہ تھا۔یہ آج سے پندرہ سال پہلے کی بات ہے تب زائرے کا کوئی نام بھی نہیں جانتا تھا اسب میرے سمیت سب جانتے ہیں کہ یہ ملک کہاں واقع ہے اور اس کی آبادی اور رقبہ کتنا ہے۔

فورمین کے ساتھ مقابلہ کے انعقاد کرانے کی ایک پیش کش جکارتہ (انڈونیشیا) کے ایک امیر باشندہ کی طرف سے ہوئی تھی۔کیونکہ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ انڈونیشا کا موجودہ دنیا سے پھر تعارف ہو جائے۔اس کا ایک ہی ذریعہ تھا اور وہ یہ تھا کہ محمد علی کا مقابلہ انڈونیشیا میں کرایا جاتا۔اگر کسی کو کچھ بھی پتہ نہ چلتا تو یہ تو معلوم ہو جاتا کہ جکارتہ انڈونیشیا کا دارالحکومت ہے۔

جب میں باکسنگ کو ترک کردوں گا باکسنگ کا عالمی اعزاز کسی دوسرے امریکی باکسر یا جارج فورمین کو حاصل ہو جائے گا۔میرا یہ بھی خیال ہے کہ آئندہ سال عالمی اعزاز ہیوی ویٹ چیمپئن کے مقابلے امریکہ اور برطانیہ میں ہوں گے اور پوری دنیا کے لوگوں کو ان میں میرے مقابلوں جیسی دلچسپی نہ رہ جائیگی۔اور جب دلچسپی نہ رہے گی تو تماشائی کہاں سے آئیں گے اور روپیہ بارش کی طرح برسنے سے تو رہا۔

سوال: جب آپ باکسنگ سے ریٹائر ہو جائیں گے تو آپ باکسنگ میں علمی و عملی

دلچسپی برقرار رہے گی یا آپ اس کا خیال بھی ترک کر دیں گے؟

جواب: نہیں کونکہ میں صرف بڑھاپے کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ میری دلچسپی باکسنگ سے رہے گی یا ختم ہوگی۔ البتہ میں ایک بدیہی حقیقت کی طرف آپ کی توجہ دلانا مناسب سمجھتا ہوں کہ جب عمارتیں پرانی ہو جاتی ہیں لوگ ان میں رہائش ختم کر دیتے ہیں اور جب ہم بوڑھے ہو جاتے ہیں تب مر جاتے ہیں۔ باکسنگ کے ساتھ مرنے تک میری دلچسپی کسی نہ کسی صورت ضرور رہے گی۔ آپ دیکھتے ہیں میرا جسم کسرتی ہے اور چربی میرے اعضاو جوارح پر چڑھی ہے مگر آپ دیکھیں گے کہ دس سال بعد نہ یہ جسم کرسرتی رہے گا اور نہ یہ چربی کیونکہ عمر کے ساتھ ہر چیز ڈھل جاتی ہے۔

اگر چہ میں بڑھاپے کا تصور اپنی ذات پر مسلط نہیں کرتا ہوں۔ کیونکہ میں یہ ضرور محسوس کرتا ہوں کہ میں اب ایسا نہیں ہوں جیسا دس سال قبل تھا۔ کیونکہ وقت مجھے یہ یاد دلاتا رہتا ہے کہ زندگی کے سنگین حقائق کا کس طرح سامنا کرنا چاہیے۔ تاہم پچاس برس کی عمر میں بھی میں باکسنگ سے وابستہ رہوں گا۔ تاہم مزید کتنا عرصہ رہ سکوں گا۔ یہ نہیں کہہ سکتا اور جب قطعی طور پر باکسنگ سے غیر متعلق ہو جاؤں گا۔ لیکن میں دنیا کے دوسرے باکسروں کی طرح نکبت و خواری کے روز و شب نہیں گزاروں گا۔ اور آپ نے میرے بارے میں کبھی اخباروں میں یہ نہیں پڑھا ہوگا کہ محمد علی نے کیڈلک خریدی ہے اور وہ سفید فام لڑکیوں کی رفاقت کو عزیز رکھتا ہے۔

مگر جب میں باکسنگ سے ریٹائر ہو جاؤں گا۔ تب بھی آپ میرے بارے میں عام لوگوں یا اخباروں میں یہ نہیں پڑھیں گے۔

کہ یہ ہی وہ بیچارا محمد علی ہے جس نے باکسنگ سے کروڑوں ڈالر کمائے اور ان دنوں کوڑی کوڑی کا محتاج ہے اور آج کل کاروں کو دھو کر دو وقت کی روٹی کھاتا ہے۔

آپ نوٹ کر لیں مسٹر لینڈ رمین!

محمد علی ایسا نہیں کرے گا وہ خوددار مسلمان ہے۔

سوال: کیا ریٹائرمنٹ کے بعد باکسنگ کے ساتھ آپ کا تعاون جاری رہے گا؟ اگرچہ باکسنگ سے دلچسپی کے بارے میں آپ کا نقطہ نظر معلوم ہو چکا ہے۔

جواب: میں سردست کچھ نہیں کہہ سکتا جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ میں چیمپئن ہوں اور مشق میرے لئے اہم چیز ہے لیکن میں زندگی کے دوسرے کاموں کی کثرت کی وجہ سے اس کے لئے بصد مشکل وقت نکال پاتا ہوں۔ آپ کو علم ہوگا کہ میں امریکی سینٹ اور کانگریس کے اراکین کے علاوہ وکلاء اور ڈاکٹر حضرات سے بھی ملتا ہوں اور اس کے لئے وقت درکار ہوتا ہے۔ میں کیلیفورنیا کے سینٹ جون ٹیونی کو ذاتی طور پر جانتا ہوں اور مجھے ان کی بے پناہ مصروفیت کا بھی علم ہے میں ایسے سیاہ فام خوش حال لوگوں کو بھی جانتا ہوں۔ جن کے بااثر سفید فام لوگوں سے تعلقات ہیں۔

یہ سب باتیں وقت مانگتی ہیں اور میرے پاس وقت نہیں ہے۔ تب میں ان سب سے یہ کہتا ہوں کہ وہ ایسا کیوں نہیں کرتے جیسا کہ میں بھی کرتا ہوں۔ میں نے اپنا اعزاز بھی بحال رکھا ہے اور دوسرے لوگوں کی مدد بھی کرتا ہوں۔ تب میں ان سے یہ کہتا ہوں کہ تم وہ نہیں کر سکتے جو محمد علی جیسا عظیم شخص کر سکتا ہے۔

یہ سچ ہے کہ غیر ملکوں کے سربراہ مجھے عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ایک بار آئرلینڈ گیا تھا۔ تب مجھے آئرلینڈ کے وزیراعظم جناب جیک لانچ کے ساتھ کھانے کا اتفاق ہوا۔ اور وہ میرے ساتھ عزت سے پیش آئے تھے۔ جن دنوں میں مصر کی سیاحت پر تھا۔ تب مجھے قاہرہ میں جناب انور السادات کے صدارتی محل قبہ پیلس میں دو روز تک قیام کی عزت بخشی گئی تھی۔ میں صدر مصر کے ساتھ رہا۔ سعودی عربیہ میں مجھے شاہ فیصل شہید کی مہمان داری کا لطف و کرم بھی خوب یاد ہے ہر جگہ مجھے لوگوں کی طرف سے جو تحسین و آفرین ملی ہیں انہیں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔

اب میں باکسنگ سے مستعفی ہوں گا تو آپ سنیں گے کہ میں کیا کرنے والا ہوں۔آپ اس حقیقت کو جانتے ہوں گے یہ دنیا دولت مندوں اور اثر ورسوخ رکھنے والوں کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھنے کی عادی ہے۔ اگر ایک شریف اور خوبصورت نوجوان اثر ورسوخ یا دولت نہیں رکھتا تو اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا لیکن جب ایک نااہل نوجوان رولز رائس میں جا رہا ہو تو ہر کوئی آگے بڑھ کر اس سے ہاتھ ملانے کی سعادت حاصل کرنا اپنا فرض سمجھنے لگتا ہے۔ظاہر ہے یہی صورتِ حال مجھے پیش آسکتی ہے۔اب میری دولت اور میری شہرت نے مجھے ہر دلعزیز بنا رکھا ہے۔

اور مجھے یہ بھی کہنا ہے کہ لوگ میری ہر بات کو غور سے سنتے ہیں۔آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ آپ کے انٹرویو کے دوران ہم ۵۸ فیصد باتیں باکسنگ سے باہر کی دنیا کی ہیں۔آپ دوسرے باکسروں کے بھی انٹرویو لے کر دیکھ لیں لوگوں کو ان سے بہت تھوڑی دلچسپی ہوگی اور باکسنگ کوئی پُراسرار کھیل نہیں ہے کہ لوگ اس کے اسرار و رموز جاننے کے لئے اپنی تمام مصروفیات چھوڑ بیٹھیں۔اگر میری تمام تر گفتگو باکسنگ کے بارے میں ہوتی اور آپ کی تمام تر توجہ باکسنگ کو جاننے پر مرکوز ہوتی تو میں نہ اپنی بات کو اتنا طول دے سکتا اور نہ ہی آپ اس طوالت کلام کو سننے کے متحمل ہو سکتے۔

سوال: مجھے آپ کے جواب سے سو فی صد اتفاق ہے۔تاہم مجھے اس انٹرویو کی ۱۵ فیصد گفتگو کے اس حصہ کے بارے میں یہ جاننے کی تمنا ہے۔جو ہم نے خالصتاً باکسنگ کے بارے میں کی ہے۔باکسنگ سے ریٹائرمنٹ کے بعد بہت سے لوگوں کو یقین ہے کہ امریکہ سے باکسنگ غائب ہو جائے گی کیا آپ کو اس امر سے اتفاق ہے۔

جواب: باکسنگ کبھی نہیں مرے گی۔کیونکہ باکسنگ سکولوں اور کلبوں کے ذریعے

زندہ رہے گی اور لوگ باکسنگ سیکھتے رہیں گے اور نئے نئے باکسر میدان میں آتے رہیں گے۔ اور ان میں سے ایک ایسا ہوگا جو لوگوں کے دل و دماغ میں طوفان برپا کرتا رہے گا۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

پاکستان سمیت مجھے ساری دنیا جانتی ہے

سوال: جیسا کہ آپ نے دنیا بھر کے لوگوں کے قلب و ذہن میں ہلچل برپا کر رکھی ہے؟

جواب: شاید آپ کا خیال درست ہو مگر میرا خیال آپ سے مختلف ہے کیونکہ دنیا بھر میں جس طرح متعارف ہوں۔ اس روئے زمین پر شاید ہی کسی ملک کا کوئی باکسر متعارف و مقبول ہو۔ آپ چین چلے جائیں، جاپان جائیں، کسی یورپی اور افریقی ملک میں دیکھیں عرب ممالک اور لاطینی امریکہ کے ممالک میں جا کر دیکھیں۔ ہر ملک کا باشندہ میرے نام سے واقف ہوگا۔ سچ پوچھو تو میں کسی ملک کا نام نہیں جانتا جہاں مجھے پہچانا نہ جاتا ہو

اب اگر کسی دوسرے باکسنگ چیمپئن کو مجھ جیسی شہرت اور عزت درکار ہے تو سے سے پہلے اسے اسلام قبول کر لینا چاہیے۔ لیکن پاکستان ایران اور شام و سعودی عرب جیسے مسلمان ممالک کی شہریت و قومیت اسے مقبول نہیں بنا سکتی وجہ یہ نہیں کہ ان ممالک میں اسلام نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان ممالک میں باکسنگ کھیلی نہیں جاتی اور نہ وہاں کوئی باکسر ہے۔

اگر چہ ان ممالک میں محمدؐ کا نام مسلمان اپنے ناموں کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ اور یہ نام اتنا مقبول اور مرغوب ہے کہ آپ اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ اور ان ممالک میں محمدؐ کے نام کے اتنے افراد ہیں کہ یورپی ممالک کے ولیمز، جونز اور سمتھ سے بھی کہیں زیادہ ہوں گے۔

میں کہہ رہا تھا کہ اس باکسر کو اسلام قبول کرنا ہوگا۔ اور اللہ کو پکارنا ہوگا۔ اور یہ وہ اللہ ہے جسے غیر مسلم دنیا خدا (God) کے نام سے پکارتی ہے۔ میں جانتا ہوں۔ خدا کا نام سب پر حاوی ہے۔ مگر اللہ کا لفظ اس روئے زمین پر سب سے زیادہ بولا اور لکھا جاتا ہے۔ سب سے زیادہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ بعض عیسائی

اور یہودی جب (خدا) یعنی اللہ کو پکارتے ہیں تو وہ اللہ کا نام لینے کی بجائے یسوع مسیح یا جی ہودایا پھر صرف لارڈ کہتے ہیں۔ چونکہ دنیا میں مسلمان سب سے زیادہ ہیں۔اس لئے وہ سب سے زیادہ اللہ کو پکارتے ہیں۔ جب کہ دنیا میں ایک غیر مسلم کے مقابلہ میں گیارہ مسلمان ہیں۔

میں جس انداز میں لکھتا ہوں۔حریف پروار کرتا ہوں۔اور میں جو پوشیدہ وار آزماتا ہوں۔اور ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے میری شخصیت کا جو تشخص بنا ہے۔ یہ سب باتیں ایک ایسے مسلمان باکسر کے لئے رہنما کا درجہ رکھتی ہیں۔ جسے میری طرح مقبولیت حاصل کرنے کا اشتیاق ہے۔

سوال: آپ کہتے ہیں کہ آپ ہروقت حرکت میں رہتے ہیں۔آپ کی حرکت کب شروع ہوتی ہے اور کہاں ختم ہوتی ہے ذرا یہ بھی بتائیے۔

جواب: میری حرکت تب شروع ہوتی ہے۔ جب میں کسی مقابلہ سے پہلے حرکت کرتا ہوں اور میں ہر دن اس بات کی کوشش کرتا ہوں کہ کوئی نہ کوئی بات ایسی ضرور کہی جائے۔جس کی دل چسپی مشترکہ ہو۔اور یہ کوئی مذاق کی بات نہیں ہے۔ کہ میں دس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے باتیں کرسکتا ہوں۔جس طرح کہ میں نے چک وپنر کے مقابلہ سے پہلے کی تھیں۔اور میں نے اخباری رپورٹروں کو مقابلے سے پہلے ہو بہو وہی باتیں بتادی تھیں۔ جو ابھی ان کے قیاس میں تھیں۔

سوال: کیا آپ کو کسی بات کا نمونہ پیش کرسکتے ہیں؟

جواب: اگر چک وپنر ایسا سفید فام خصوصی مہارت یافتہ محمد علی سے جیت جاتا ہے تو اسے امریکہ کا ہیرو بنادیا گیا ہوتا تو باکسنگ کی دنیا میں اسے تباہ کن آندھی سے تشبیہہ دی جاتی۔ اور اس لڑائی کو کھیل نہیں بلکہ سیاہ اور سفید فاموں کے درمیان مقابلہ کی بجائے ایک مشن سمجھا جاتا۔

یہ درست ہے کہ وپنر مضبوط قوت ارادی کا مالک ہے۔اور یہ قوت ارادی جتنی

بڑی ہوگی اتنی ہی حریف کے مقابلے کی مہارت پر غالب آئے گی۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ وپنر لاکھ بار بھی کوکلکس کلان سے مشورے کرتا پھرے جب تک وہ اپنی قوت ارادی سے کام نہ لے گا۔ وہ کچھ نہیں کر سکتا۔

لینڈرمین یہ میری حرکت اداکاری ہے۔ اور جب میں رنگ میں اتر جاتا ہوں تو وہ ختم ہو جاتی ہے۔

مگر میری خوشی مقابلہ جیتنے میں ہوتی ہے۔ خاص طور پر اپنے حریفوں، نارٹن، فریئزر اور فورمین سے پھر مقابلہ جیتنے کی خوشی حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ جب نارٹن سے مقابلے میں میرا جبڑا ٹوٹ گیا تھا۔ تب امریکہ کے مشہور کھیلوں کے رسالے سپورٹس السٹریٹڈ نے سُرخی جمائی تھی۔ کہ محمد علی کا طلسم ٹوٹ گیا ہے۔

مگر جب محمد علی نے فورمین جیسے سخت جان وقوی ہیکل باکسر کو پچھاڑ دیا۔ تو میں نے جو تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا ہے۔ اس پر سپورٹس السٹریٹڈ کو شاید سانپ سونگھ گیا تھا۔ کیونکہ اس نے کچھ لکھا تھا۔۔

یہ درست ہے باکسنگ میں ہڈی پسلی تڑوانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اور یوں زندگی بنانے کے لئے ایک جوا کھیلنا پڑتا ہے اور میں یہ دونوں باتیں کرتا ہوں۔

سوال: جن لوگوں کا آپ سے قریبی رابطہ رہتا ہے۔ ان کا کہنا کہ پچھلے سال آپ باکسنگ سے آزردہ خاصا نظر آتے ہیں؟

جواب: میں نے ۱۹۵۴ء جب کہ میری عمر بارہ برس کی تھی تب میں باکسنگ کھیلنا شروع کی تھی۔ اس وقت سے لے کر اب تک ایک نیا مقابلہ ایک نیا حریف اور ایک نئی شہرت اور کھیل کے لئے ایک نیا سبب میرے سامنا آتا رہا ہے۔ میں کھیلتا چلا گیا ہوں۔ اس میں میری ذاتی انا کی تسکین کا پہلو بھی تھا۔

مگر اب میں باکسنگ اس لئے کھیلتا ہوں کیونکہ اسکی آمدنی کو خیراتی کاموں اور بھلائی میں صرف کرتا ہوں۔ اور جب روپے پیسے اور مقابلوں کے بارے میں سوچتا

ہوں تو میں سوئے پڑے رہنے کی بجائے ہر صبح منہ اندھیرے دو میل تک دوڑ لگانے میں راحت محسوس کرتا ہوں۔

سوال: ہمارے بعض سیاستدانوں کا خیال ہے کہ اس صدی کے سب سے زیادہ شہرت یافتہ شخص آپ ہیں۔ کن مسائل و امور نے آپ کو وسیع پیمانہ پر شہرت مہیا کی ہے۔

جواب: اللہ کی نصرت و مدد بندے کے شامل حال تب ہوئی ہے۔ جب وہ شہرت نیک مقاصد کے لئے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اور میں اس شہرت کو اپنے پسماندہ بھائیوں کی مدد کے لئے صرف کرتا ہوں۔ اور میں اپنی اس شہرت کو دنیا میں سچائی کی ترویج کے لئے کام میں لاتا ہوں۔ جرمنی اور آسٹریلیا ٹیلی ویژن نیٹ ورک کے رپورٹر مجھ سے امریکہ میں انٹرویو لینے آتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ میرے لئے عزت کی بات ہے۔ اور جب یہی لوگ میرے انٹرویو کی فلم بنا کر اپنے اپنے ملک لے جا کر اپنے سٹیشنوں سے دکھاتے ہیں تو مجھے لاکھوں کروڑوں ناظرین دیکھتے ہیں۔ ان تک میرا نام پہنچتا ہے۔ یہ بات بھی مجھے مقبول بنائے رکھتی ہے۔ بلکہ میں تو یہ بھی کہوں گا یہ بات ٹکٹوں کی فروخت کا باعث بھی بنتی ہے جو میرے مقابلہ کے لئے کسی بھی ملک میں فروخت کی جا رہی ہوتی ہیں۔

اور میں اس آمدنی سے جائداد خریدتا ہوں تا کہ غریب لوگوں کی مدد کروں۔

مگر شہرت کوئی پائیدار شے نہیں

جب کہ نیک نامی بڑی پائیدار شے ہوتی ہے۔

آپ دیکھیں گے کہ ایک دن آئے گا جب محمد علی آدمی نہیں رہے گا۔ پھر کوئی رپورٹر اس کے پاس نہیں آئے گا۔ ٹیلی ویژن اور ریڈیو والے اس سے انٹرویو نہیں مانگیں گے۔ جب اس شہرت کا خاتمہ ہو جائے گا۔

تب میں اس صورت حال کا مزے لے لے کر جائزہ لیا کروں گا۔

سوال: آپ آٹوگراف لینے والوں کے دفورِ اشتیاق کا لطف بھی تو اٹھاتے ہیں۔ اس مسئلہ پر بھی کچھ کہیے؟

جواب: جی ہاں کیونکہ میں کسی کو مایوس نہیں کرتا۔ ممکن ہے آپ زکوۃ کا مفہوم نہ سمجھتے ہوں۔ دوسروں کی خدمت کرنا اسی طرح ہے جس طرح اس گھر کا کرایہ حکومت کو ادا کرنا ہے۔ جسے آپ نے اپنی زمین پر اپنے لئے بنا رکھا ہے۔۔

دیکھئے جب مذہبی و روحانی آدمی بن جاتے ہیں۔تب آپ دل سے یہ تسلیم کرتے ہیں۔خواہ آپ کتنے ہی بڑے دنیاوی لحاظ سے کیوں نہ ہو۔کہ آپ بڑے نہیں ہیں۔اللہ بڑا ہے۔

آپ لوگوں کے احساسات و جذبات کو ٹھیس نہیں پہنچاتے۔ کیوں آپ بھی ایسے ہی نازک و پاکیزہ جذبات و احساسات رکھتے ہیں۔ جب آپ کے جذبات کو کوئی ٹھیس پہنچائے تب آپ کو کتنی تکلیف ہوگی۔

جب میں چھوٹی عمر میں تھا تب مشہور باکسنگ چیمپئن شوگر رے رابنسن نے میرے جذبات کو مجروح کیا تھا۔مگر میں کسی کے جذبات کو مجروح نہیں کرتا۔

سوال: اصل واقعہ کیا ہوا تھا؟

جواب: یہ تب کی بات ہے جب میں روم اولمپکس میں شرکت کرنے والا تھا تب ایک رات میں ہارلم کے ایک نائٹ کلب کے باہر کھڑا شوگر رے کا منتظر تھا کہ جب وہ رقص دیکھ کر باہر آئے تو اس کے آٹوگراف بھی حاصل کروں اور باکسنگ کے بارے میں اس کی رہنمائی بھی لوں۔ کیونکہ ان دنوں شوگر رے میرا پسندیدہ باکسر تھا۔آپ کو معلوم ہوگا۔ ہر آدمی کا زندگی میں کوئی نہ کوئی پسندیدہ امر ضرور رہوتا ہے۔ بہر حال مجھے امید تھی کہ میری نہ صرف بات سُنے گا۔ بلکہ مجھے اپنے آٹوگراف بھی دے گا۔لیکن شوگر رے باہر نکلا اور کار میں جا بیٹھا۔اور میں اس کے پیچھے بھاگا۔ لیکن اس نے آٹوگراف دینے کے بارے میں کہا۔

لڑکے! میرے پاس تو وقت نہیں ہے تم میرا انتظار کرتے رہے ہو۔ اور میں شوگر رے کی یہ بات سُن کر بڑا دل شکستہ ہوگیا تھا۔ تب میں نے وہیں کھڑے کھڑے اپنے دل میں سوچا کہ اگر ایسی ہی شہرت اور مہارت مجھے نصیب ہوئی تب میں اپنے چاہنے والوں کا دل کبھی مجروح نہ ہونے دونگا۔

اب ظاہر ہے کہ میں اپنے شیدائی اور شائقین کے جذبات کیوں مجروح کردوں جو پہروں سے میرے آٹوگراف کے لئے منتظر کھڑے ہوتے ہیں۔

سوال: کیا لوگوں سے زیادہ ربط وضبط وبال جان نہیں بن جاتا کیوں کہ ہر انسان کی طبیعت مختلف ہوتی ہے۔ اور یہ بات نا قابلِ برداشت بھی بن سکتی ہے اور بات یہ بھی ہے ہر کسی کو مطمئن نہیں کیا جا سکتا؟

جواب: جی ہاں اکثر یہ صورتِ حال پیش آتی ہے۔ تب میں صرف ایک ہی حل سوچتا ہوں کہ اپنی گرے ہاؤنڈ بس میں چار پانچ روز کے کھانے پینے کا سامان اور خیمے کے لوازم لاد کر اپنی بیوی اور چار بچوں کو ساتھ لے کر دور کسی ساحلی مقام پر چلا جاتا ہوں اور پانچ چھ دن دنیا سے بے خبر روز و شب گزارتا ہوں۔

میری حقیقی خوشی یہ ہے کہ کسی نے مجھ سے یا میں نے کسی کو ملاقات کا وقت نہ دے یا لے رکھا ہو۔ لیکن یہ کیونکر ہوسکتا ہے۔ میرے آگے پیچھے ہر وقت لوگ ہوتے ہیں۔ مجھے ان سے سو طرح کے موضوعات پر بات کرنی ہوتی ہے۔ اور اس موضوع پر سوچنا ہوتا ہے۔ فون کی گھنٹی ہر وقت بجتی رہتی ہے۔ میرے گھر کی طرف آنے والی سڑک ہر وقت مصروف رہتی ہے۔ اور سب سے مشکل بات یہ ہے کہ مجھے اپنے جمنیزیم میں اپنی مشق کا خیال بھی فکرمند بنائے رکھتا ہے۔ اور سچ بات تو یہ ہے کہ میں کبھی فارغ نہیں بیٹھ سکتا۔ فرصت کا میرے پاس نام ونشان نہیں ہوتا۔ میں ہر وقت کچھ نہ کچھ کرنے یا کہنے پر مجبور ہوتا ہوں۔ مگر میرا خیال ہے دنیا میں ہر انسان کی خواہ وہ کچھ بھی کرتا ہو۔ اس کی کچھ نہ کچھ مصروفیات ضرور ہوتی ہیں۔

میرا خیال ہے صدر فورڈ کا کام صدارتی لحاظ سے جناب ویلس ڈی محمد کا کام بھی کچھ اہم نہیں ہے۔ وہ ایک سیاستدان بھی ہیں۔ اور وہ ایک کالج کے صدر بھی ہیں۔ مجھے تو یوں لگتا ہے کہ وہ ہر وقت پابندیوں اور مصروفیات کے قلعے میں بند رہتے ہیں۔ میرے ساتھ بھی یہی کچھ ہو رہا ہے۔ بطور عالمی ہیوی ویٹ چیمپئن مجھے باکسنگ کی نمائندگی کرنے کے علاوہ بہت ساری ایسی چیزوں سے بھی عہدہ برآ ہونا ہوتا ہے جن کا تعلق باکسنگ سے نہیں ہوتا۔

میرے پاس لوگوں کا انبوہ کثیر ہوتا ہے۔ مجھے ڈھیروں کے حساب سے خطوط آتے ہیں۔ اور ان خطوط کا جواب دینا ہوتا ہے یا پھر جو بہتر صورت ہو اسے پایہ تکمیل تک پہنچانا ہوتا ہے۔ میرا خیال ہے کوئی دوسرا باکسر ان تمام باتوں کے بارے میں کبھی اندازہ بھی نہیں لگا سکتا۔

پھر وقت آتا ہے کہ میں ان تمام امور کا سامنا کرتے کرتے عاجز آ جاتا ہوں اور یہی وہ وقت ہوتا ہے کہ جب میں ہر چیز کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہوں۔ تب میں کسی سے کاروبار کی بات نہیں کرتا۔ کسی اخبار یا ٹی وی نیٹ ورک کو انٹرویو نہیں دیتا کسی کالج میں لیکچر دینے نہیں جاتا۔ کسی ایئر لائنز کو سیٹ بک کرنے کا نہیں کہتا۔ قرضہ مانگنے والے دوستوں کی فرمائش اور غرباء کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی التماس نہیں سنتا۔ مگر میں دل سے ایسا نہیں کرنا چاہتا۔ مگر میری حالت زار اور بے پناہ مصروفیات مجھے ایسا کرنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ اس وقت جب فون کی گھنٹی بجتی ہے تو میں اپنے سٹاف سے کہتا ہوں کہ وہ کہہ دیں کہ میں گھر پر موجود نہیں ہوں۔ مگر دو چار کالوں کے بعد فون کال سننے بیٹھ جاتا ہوں۔ تاہم میں اپنی مصروفیات کی مجبوریوں کے آگے صرف ایک آدھ دن ہی ٹھہرتا ہوں پھر وہی مصروفیات اور لوگوں کے جمگھٹے نظر آتے ہیں۔ مجھے بہت مسرت ہوتی ہے۔

تاہم میں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ مجھے بے حد و حساب تنگ نہ کیا جائے۔ تاہم یہ

بھی ضرور کہتا ہوں کہ بے شک مجھے تنگ کیا جائے ۔مگر اس میں ایک خیال اسلام کی تبلیغ کا ضرور رکھنا چاہیے۔ کیونکہ میں اسلام کی تبلیغ کرنا اپنا دینی فریضہ سمجھتا ہوں۔ کیونکہ تبلیغ دین اور اسلام کی حقانیت تمام دنیا میں پھیلانی ہے۔

سوال: ایک ایسا آدمی باکسنگ جس کا اوڑھنا بچھونا ہو فکر ونظر کے لحاظ سے وہ مبلغ بھی بنتا ہو کیا اسے اپنی روزی کے معاملے میں سرد مہری برتنی چاہیئے ۔کیا کبھی آپ نے باکسنگ کے علاوہ کسی دوسرے پیشہ وارانہ کھیل میں شمولیت پر بھی غور کیا ہے۔

جواب: آپ حیران ہوں گے کہ سوائے فٹ بال کے مجھے کبھی کسی دوسرے کھیل سے کوئی دل چسپی نہیں رہی۔لیکن اب میں فٹ بال سے بھی دل چسپی نہیں رکھتا۔ کیونکہ اس میں انفرادی شہرت کا کوئی امکان نہیں ہے۔اور اس کھیل میں آپ کو اتنے لوازم کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔مثلاً یہ کہ نیکر شرٹ کیپ اور دستانے اور پیڈ پہننے پڑتے ہیں کہ لوگ پہچان ہی نہیں سکتے کہ کون سا کھلاڑی کیا معرکہ آرائی دکھا رہا ہے۔اور یہ بھی ہوتا ہے۔بائیس افراد تو دونوں ٹیموں کے کھلاڑی ہوں گے۔ریفری بھی دو چار ہوں گے۔معاون کھلاڑی بھی ہوں گے۔اور پھر یہ سارے لوگ میدان میں آگے پیچھے یوں بھاگتے دوڑتے نظر آتے ہیں کہ تماشائیوں کو کچھ پتہ نہیں چلتا کہ ہابیل کھیل رہا ہے یا قابیل مار کھا رہا ہے۔جب کہ باکسنگ رنگ میں صرف دو آدمی ہوتے ہیں۔لاکھوں تماشائیوں کی نظر ان دو پر مرکوز ہوتی ہے۔

میں نے باکسنگ میں حصہ لینے کا فیصلہ بارہ سال کی عمر میں ہی کر لیا تھا۔کہ باکسنگ میں آمدنی کے وسائل زیادہ ہوتے ہیں۔اور ایک باکسر ایک اتھلیٹ سے زیادہ پیسے کما سکتا ہے۔اور باکسنگ ایک ایسا مکمل کھیل ہے جو موسم کا محتاج نہیں ہے کیا آپ نہیں جانتے کہ کرکٹ ہاکی فٹبال وغیرہ کے میچ اکثر خراب موسم کی وجہ سے ادھورے اور نامکمل رہ جاتے ہیں۔اور وہ تماشائی جنہوں نے سیزن ٹکٹ خرید رکھے ہوتے ہیں وہ ناحق مظاہر فطرت کی ناسپاسی کر کے گنہگار بن جاتے ہیں۔

میں نے باکسر بننے کے بعد اس بات پر کبھی افسوس کا اظہار نہیں کیا کہ میرا یہ فیصلہ غلط تھا۔ اب آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ میں روزی کے معاملہ میں سرد مہری کا رویہ اختیار کرتا ہوں۔

سوال: باکسنگ کی تاریخ میں آپ عظیم ترین باکسر ہیں آپ کا یہ دعوی ہے کہ آپ نے باکسنگ کی تاریخ کے ہر چیمپئن کو پیٹ ڈالا ہے۔ اس دعوے عظمت کی دلیل کیا ہے۔؟

جواب: میں کبھی یہ دعویٰ نہیں کرتا۔

حالانکہ تمام بڑے باکسر جیسے روکی مارکیانو جانس، جولوئیس، جیک ڈمپسی، جو مارٹن اور ایذارڈ چارلس وغیرہ ہیں۔ ان کے ساتھ مقابلہ میں مجھے مشکل پیش آسکتی تھی۔

لیکن میں نہیں جانتا کہ اگر میں ان سے لڑتا تو انہیں شکست نہ دے سکتا میں تو یہ جانتا ہوں کہ میں وہ واحد باکسر ہوں جسے کے بارے میں سب سے زیادہ گفت گو کی جاتی ہے۔

اور میں سب سے زیادہ شہرت یافتہ ہوں

اور میں سب سے زیادہ مشہور ہوں

اور میں تاریخ کا عظیم باکسر ہوں

میں سب سے زیادہ تیز رفتار ہیوی ویٹ چیمپئن ہوں

ہاتھوں کے لحاظ سے اور پاؤں کے لحاظ سے

اس کے علاوہ

میں باکسر ہوتے ہوئے ایک شاعر بھی ہوں

کیا آپ کسی باکسر شاعر کی مثال اگلی پچھلی تاریخ سے دے سکیں گے۔ ایک بات اور بھی ہے اگر آپ سابق چیمپئن باکسروں کی تصاویر دیکھیں تو آپ کو ان کے

بے وضع چہرے اور جسم پر بھاری بھر کم گوشت کے لوتھڑے نظر آئیں گے۔

اور میں تاریخ کا جاذب نظر بیسٹ لکنگ باکسر ہوں ان سب باتوں نے میرے دعویٰ عظمت کی دلیل دی ہے کیا آپ قائل نہیں ہوئے۔

سوال: کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ تاریخ میں آپ کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا؟

جواب: میں نہیں جانتا مگر آپ کو میں ایک اور بات بتا رہا ہوں۔ کہ مجھے کبھی فراموش نہ کیا جا سکے گا۔

ایک سیاہ فام شخص کے طور پر جس نے عالمی ہیوی ویٹ چیمپئن کا اعزاز حاصل کیا جو طنز گو ہے مگر جس نے ہر کسی سے فیاضیانہ سلوک کیا۔

جس نے کبھی دوسروں کے عیب پر نظر نہیں کی

جس نے بُرا چاہنے والوں کا بھی بھلا چاہا

جو اپنے لوگوں کی اتنی مدد کرتا رہا جو اس کی قدرت میں تھی

مالی لحاظ سے بھی اور فکری لحاظ سے بھی اس نے اپنے لوگوں کو آزادی دلانے میں جدو جہد کی تھی

وہ مساوات اور انصاف دلوانے میں اپنے لوگوں کے ہم رکاب رہا

اور وہ ایسا شخص ہے جس نے اپنے ہم نسل لوگوں کو کبھی تکلیف نہیں پہنچائی

اس نے کبھی کوئی کام ایسا نہیں کیا جس سے کہ اس کے ہم وطنوں کو شرم محسوس ہوئی

وہ ایسا شخص ہے۔ جس نے اپنے ہم نسل لوگوں کو اسلام کے نام پر یکجا ہونیکی تعلیم دی۔

اگر تاریخ کو میری یہ باتیں پسند نہیں آئیں گی تو وہ اپنے دامن میں میرے ذکر کو جگہ نہ دیگی تو نہ دے تو وہ مجھے ایک عظیم باکسنگ چیمپئن کے طور پر کبھی فراموش نہ کر سکتے گی۔ جو اپنے لوگوں کی بہتری کے لئے مبلغ بن گیا اور اپنے لوگوں میں بھی

چیمپئن شمار ہوگا۔

اور میں اس بات کا بھی بُرا نہ مناؤں گا۔

کہ لوگ میری شخصی وجاہت کو بھی بھول جائیں!!!!

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

ایک سفید فام صحافی لڑکی کا محمد علی سے انٹرویو

محمد علی کی کامیابیاں جس قدر پُر اسرار رہیں اس کی زندگی اسی طرح ایک کھلی کتاب ہے۔ گذشتہ عشرہ سے دنیا بھر کا پریس اس کے خیلات کو ریکارڈ کر رہا ہے۔ اس کی مقبولیت اور کامیابی کا راز جاننے کے لئے یورپ و امریکہ کا شاید ہی کوئی ملک ہو جہاں اس کی کوئی تصویر اور تقریر نہ چھپی ہو۔ کیونکہ محمد علی نے باکسنگ جیسے کرخت کھیل کو یک لخت مقبول بنا دیا ہے۔ کامیابی ایک ایسا فعل ہے جو یک دم وارد ہوتا ہے اور کسی کامیابی کو عقل یا فکر کے زاویہ سے نہیں جانچا جا سکتا۔ البتہ اس کے لئے ایک پیمانہ مقرر ہے اور وہ یہ کہ ہر کامیابی خطرات میں گھری ہے جو خطرہ مول لیتا ہے وہ کامیابی بھی پا سکتا ہے۔

محمد علی ہر باکسنگ مقابلہ میں خطرہ مول لیتا ہے۔ اور کامیابی کو اچک کر لے جاتا ہے۔

پچھلے دنوں برطانیہ کی ایک خاتون صحافی میری اناچک نے محمد علی کے ٹریننگ کیمپ جو پنسلوانیا میں ہے۔ اس کا انٹرویو لیا تھا۔ اس انٹرویو میں میر سمی نے جس محمد علی کو دیکھا اور پرکھا ہے۔ وہ اس محمد علی سے مختلف ہے جو چار بچوں کا باپ ہونے کے باوجود ایک کڑیل جوان ہے۔ وہ محمد علی جس کی کامیابیوں نے ہر محفل کو اپنی شخصیت کا طلسم گفتار عطا کر رکھا ہے اور جس نے ہیوی ویٹ باکسنگ جیسے کھیل میں ایسی دلچسپی پیدا کر دی ہے کہ تمام دنیا کو اپنے شخصی محور کے گرد گھومنے پر مجبور کر دیا ہے اور جس کی مثال تاریخ میں اور کوئی پیش نہ کر سکا۔

۱۹۷۵ء میں محمد علی اور جوفریزئر کا مقابلہ منیلا میں ہوا تھا اسے دنیا کے ستر کروڑ عوام نے براہ راست ٹیلی سٹار کے ذریعے اپنے ٹیلی ویژن سیٹوں پر دیکھا تھا۔ قبل ازیں کسی شوبزنس سے تعلق رکھنے والے فرد کو اتنی مقبولیت نہیں ملی جو محمد علی کے حصے میں آتی ہے۔

وہ اپنے گھر پر اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ کس طرح رہتا ہے۔ اور اپنے قریبی دوستوں سے کس طرح پیش آتا ہے۔ اور وہ ٹی وی کیمروں کی آنکھ سے دور کس شکل و صورت کا مالک ہے۔

وہ محمد علی جو بات بات پر دنیا کو للکارتا اور اپنے ہمعصر باکسروں کے آگے دھاڑتا ہے۔ ہر محفل میں گرمی گفتار کا سامان پیدا کرتا ہے۔ اس کے اندر جو محمد علی چھپا بیٹھا ہے۔ وہ بیحد نرم دل اور نرم رو ہے۔

محمد علی پنسلوانیا میں واقع ٹریننگ کیمپ جو ڈیئر جھیل سے متصل خوب صورت گھاٹیوں میں گھرا ہے۔ خواب آور ماحول کا حامل ہے۔ میری انا چک برطانیہ کی وہ پہلی خاتون صحافی ہیں جہاں وہ پچھلے دنوں محمد علی سے ملی تھی۔ میری کا خیال تھا کہ محمد علی عام طور پر اخبار نویسوں سے آنکھ بچا کر نکل جانے کا عادی ہے۔ اگر وہ کسی سے ملتا ہے تو یہ اس کے موڈ پر منحصر ہے۔ کیونکہ اس کے موڈ کے بارے میں کوئی پیش گوئی نہیں کی جاسکتی۔

عام طور پر محمد علی عورتوں کی رفاقت کو پسند نہیں کرتا خاص طور پر سفید فام عورتوں سے ملنے کی کوئی خواہش نہیں رکھتا۔ وہ ایک سخت جان قوی ہیکل اور بے رحم باکسر ہے۔ اور اپنے کیمپ کے ضابطوں کو توڑنا نہیں چاہتا۔ یہی وجہ ہے اس کی بیوی بلینڈا بھی عام طور پر اس کے کیمپ میں نہیں آتی۔

میری انا چک جب محمد علی سے انٹرویو لینے گئی تو اس نے ایک خاص قسم کا لباس پہنا تھا۔ جو مسلمانوں کی پردہ دار خواتین کا خاصا ہے کہ ایڑھی سے چوٹی تک جسم کا ہر حصہ ڈھانپ لیا تھا۔ میری کا کہنا ہے کہ وہ اگر ایسا نہ کرتی تو ممکن ہے محمد علی اس سے ملاقات کرنا ہی پسند نہ کرتا۔

جب میں محمد علی کے کیمپ جس کے گرد قلعوں کی طرح چار دیواری ہے اور دیکھنے والے پر ایک ہیبت طاری کرتی ہے۔ مگر میں یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ اسے قلعہ کہوں

یا کیمپ وہاں کوئی پہرے دار نہ تھا۔ نہ کسی قسم کے حفاظتی اقدامات کئے گئے تھے۔ حالانکہ مشہور مصور پیلو پکاپیرس کے نواح میں واقع جس ولا میں رہتا تھا۔ وہاں ہر وقت ننگی تلوار کا پہرہ ہوتا تھا۔ چار دیواری کے اوپر خاردار تاروں میں ہر وقت برقی رو دوڑتی رہتی تھی۔ جب کہ اس صدی کے اس عظیم مصور سے کسی کو کوئی دشمنی نہ تھی یونہی میری کار دروازہ کے اندر داخل ہوئی تو وہ اس طرح کھلا تھا کہ جس طرح محمد علی کے دروازے سب پر کھلے ہیں کا آئینہ دار، کار آگے بڑھتی گئی۔

ٹریننگ کیمپ بظاہر ایک قلعہ لگتا ہے۔ اس کے صحن میں پہلے سے موجود چند کاریں اور ایک بس کھڑی تھی جو محمد علی کی ملکیت تھیں پتہ چلا کہ محمد علی انہیں اپنی ذاتی سواری کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اس رہائش گاہ پر ایک نظر ڈالنے سے کیمپ کا وہ مخصوص حصہ بھی نظر آتا ہے۔ جو امریکی طرز تعمیر کے مطابق لکڑی سے بنا ہے۔ پھر میری نگاہ ایک چٹان پر ٹھہر گئی جس پر جلی حروف میں دنیا کے بڑے بڑے باکسروں نام کندہ کئے گئے ہیں۔ یہ کام محمد علی کے والد کاسیس ہرکولیس کلے نے کیا ہے۔

ٹریننگ کیمپ اتنا اداس اور اجاڑ معلوم ہو رہا تھا کہ دن ہونے کے باوجود ہول آتا تھا۔ اس عمارت کی اندرونی دیواروں پر محمد علی کے باکسنگ مقابلوں کے قد آدم پوسٹر چسپاں کئے گئے تھے۔ ان پوسٹروں میں زیادہ تصاویر محمد علی کی اپنی تھیں۔ جن میں وہ باکسنگ کے مختلف زاویے بنائے ہوئے نظر آتا ہے۔ ٹریننگ کیمپ میں نو مشق سیاہ فام باکسروں کو تربیت دی جاتی ہے۔ جس وقت میں رنگ کے قریب پہنچی تو مشق جاری تھی بے شمار لوگ محویت کے عالم میں دیکھ رہے تھے۔ یونہی کوئی رسوں پر ڈھیر ہوتا تو اسے سنترے کا رس پلایا جاتا اور اس کے جسم پر بھاپ سے سپرے کیا جاتا یونہی میں نے محمد علی کو دیکھا تو یہ بات میری سمجھ میں آ گئی کہ دروازے پر کسی پہرہ دار کو کیوں نہیں بٹھایا گیا تھا۔ کیونکہ بری نیت سے اندر گھسنے والا خوب جانتا ہے کہ یہاں محمد علی رہتا ہے۔ اور جو مکے کا جواب مکے سے دینے کی طاقت رکھتا ہے۔ مجھے

دیکھتے ہی وہ رنگ سے اچھل کر باہر آیا۔ باکسنگ دستانے اتار دیئے۔ اس کے بازوؤں پر پٹیاں بندھی تھیں۔ اور پھر قریب ہی نصب بڑے آئینے میں اپنے سراپے پر نظر ڈالنے لگا۔ مکے کو ادھر ادھر لہرا کر ڈریسنگ روم میں چلا گیا۔

پچھلے دنوں محمد علی لندن گئے تھے۔ دورے کی غرض و غایت تفریح کے علاوہ اپنے ہم نسل سیاہ فام لوگوں سے ملاقات کے علاوہ اپنی اس پراسرار شہرت و مقبولیت کا مشاہدہ تھا۔ جسے وہ خود کرنا چاہتے تھے۔

ہوٹل کے باہر لوگوں کا اژدھام ہے جس میں ہر ملک اور ہر نسل کے لوگ شامل ہیں۔ محمد علی جس ہوٹل میں ٹھہرے تھے اسے لندن کے اعلیٰ ہوٹلوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ہجوم کو چیرتی میں بھی آگے بڑھی محمد علی نے میری طرف دیکھا اور پوچھا کہ یہ سفید فام لڑکی کون ہے اور کیا چاہتی ہے۔

میرا پہلا تاثر یہ تھا کہ میں اس عظیم انسان کو جھک کر سلام کروں۔ پھر میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔ محمد علی کی عظمت بے مثال ہے۔ یہ سنتے ہی محمد علی کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور میں نے محسوس کیا کہ وہ خوش و خرم دکھائی دے رہا ہے۔ تب میں نے اپنی آمد کی وضاحت کی کہ میں آپ کا انٹرویو لینا چاہتی ہوں۔ اور محمد علی نے اثبات میں سر ہلا دیا اور مجھے امریکہ آنے کی دعوت دی۔ اس نے ایک کاغذ پر اپنا پتہ اور فون نمبر لکھ کر دیا اور مجھے یہ بتایا کہ میں آنے سے پہلے فون ضرور کرلوں۔

رخصت ہونے سے پہلے میں نے محمد علی کی حرکات و سکنات اور اس کی نشست و برخاست اور انداز گفتگو کو تنقیدی نکتہ نظر سے جانچا وہ ایک شیر کی طرح آرم چیئر پر لیٹا تھا۔

آرام دہ کرسی کے اردگرد بے شمار لوگ بیٹھے تھے جن میں اکثریت سیاہ فام لوگوں کی تھی۔ ہر شخص محمد علی سے دامے درمے سخنے مدد مانگ رہا تھا اور محمد علی حسب ضرورت و خواہش ہر ایک کی بات بغور سن کر ضرورت مند لوگوں کی خواہشات

کا احترام کر رہا تھا۔ اور ہر شخص کی بات کا جواب نرمی اور حلیمی سے دے رہا تھا۔ اور میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ یہ وہی محمد علی ہے۔ جو عام طور پر باکسنگ رنگ کے اندر اور باہر کسی بھی پبلک پلیٹ فارم پر دھاڑ اور چنگھاڑ کر باتیں کرنے کا عادی ہے۔ اور جسے اپنے حریف پر گھن گرج کے ساتھ حملے کرنے میں کوئی باک نہیں ہوتا۔ اب کہ گفتگو میں میں نے اسے جذباتی طور پر جس قدر پرسکون پایا تو میں اس صورت حال کو ایک معجزاہ قرار دینے لگی۔ کیونکہ مغرب کے پریس میں اسے عام طور پر دو دھاری تلوار یا برق رفتار بندوق کا نام دیا جاتا ہے۔ میرے ذہن میں اس کے لندن کے دورہ کی یادیں اُبھرنے لگیں۔ تب مجھے احساس ہوا کہ میں تو اب پنسلوانیا میں ہوں۔

دوپہر کا وقت تھا میں دوسرے لوگوں کی طرح ملاقات کی منتظر تھی۔ ملاقات کرنے والوں میں جرمنی اور آسٹریلیا کے صحافی اور ٹیلی ویژن نیٹ ورک کے وفود شامل تھے۔ ہر کوئی محمد علی کے منہ سے نکلنے والے الفاظ کے بارے میں محتاط سوچ کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ ہر ایک کو یہ بھی احساس تھا کہ وہ عظیم انسان تھکن سے چور نظر آ رہا تھا۔

مجھے مکان کے اندر آنے کی اجازت دے دی گئی۔ میں اندر گئی تو اس وقت محمد علی کی چچی کوریٹا باورچی خانے میں کھانے پکانے میں مصروف تھی اور ڈرائنگ روم کے بڑے میز کے کونے کی کرسی پر محمد علی کی والدہ مسز اوڈیسا کلے بیٹھی اپنے چھوٹے بیٹے رحمان سے باتیں کر رہی تھیں۔ باورچی خانے سے کھانوں کی اشتہار آمیز مہک کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ کھانے میں گوشت سبزیاں پکائی جا رہی تھیں۔ مقدار دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ کم از کم سو پچاس افراد کھائیں گے۔ کمرے کے کونے میں رنگین ٹیلی ویژن چلتا نظر آ رہا تھا۔ ساتھ ہی ٹیلی فون پڑا تھا۔ جسے محمد علی لحظہ بہ لحظہ استعمال کرتا تھا۔ دراصل محمد علی کی یہ ہاٹ لائن تھی جس کے ذریعے وہ دنیا بھر کے

مختلف لوگوں سے بات چیت کرتا نظر آتا ہے۔

اس کے بعد ہمیں بتایا گیا کہ محمد علی ہم سے ملاقات کے لئے اپنے کیمپ جمنیزیم میں آ رہے ہیں۔ صحافیوں نے اپنے قلم اور کاغذ اور کیمرے سنبھال لئے اتنے میں محمد علی نمودار ہوا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر سب کو سلام کا جواب دیا۔ ماحول برق آسا معلوم ہوتا تھا۔ اسکے بعد میں آگے بڑھی تب اس کے کان میں کسی نے یہ کہا کہ یہ وہی صحافی لڑکی ہے جو برطانیہ سے آئی ہے۔ اور جسے آپ نے انٹرویو دینے پر اظہار مندی کیا تھا۔ اس کے بعد محمد علی نے میری طرف دیکھا مسکراہٹ کے ساتھ میرا استقبال کیا اور وہ بڑا پرسکون نظر آ رہا تھا۔ اس نے فرداً فرداً سب کی باتوں کا جواب دیا۔ آسٹریلیا اور وفاقی جمہوریہ جرمنی کے ٹیلیویژن نیٹ ورک والوں کو بھی وقت دیا۔

فراغت کے بعد اس نے مجھے رنگ کے قریب چلنے کو کہا۔ میرے ذہن میں بیشتر سوالات محمد علی کی گھریلو زندگی کے بارے میں تھے۔ میں انہیں ترتیب دینے لگی۔

سچ بات تو یہ ہے کہ میں کبھی اپنے گھر میں نہیں رہتا۔ یہ ایسی بُری عادت ہے جس سے آپ میری مشکلات کا اندازہ کر سکتی ہیں۔ ایک انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ چاہے تو اپنا بیشتر وقت اپنے بیوی بچوں کے ساتھ گزارے۔ مگر حالات اس کے آڑے آئیں تو اس کی مجبوری کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ تاہم اس کا مطلب یہ ہے کہ میرا بیشتر وقت میدان کارزار یا اکھاڑے میں گزرتا ہے۔ میں جب بھی گھر آتا ہوں تو کوشش کرتا ہوں کہ ہر لمحہ اپنے بچوں کے درمیان رہوں مگر صبح جب وہ سکول چلے جاتے ہیں۔ تب میں اپنے قانونی مشیروں سے ملتا ہوں۔ اپنے معاملات کو بہتر طور پر چلانے میں ان کا مشورہ قبول کرتا ہوں۔

میرے بچے شکاگو میں رہتے ہیں۔ ڈیرلیک میں چھٹیوں میں آتے ہیں شکاگو

میں رہنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ وہاں وہ ایک پرائیویٹ مسلم سکول میں زیر تعلیم ہیں۔ کیونکہ میں انہیں زندگی کے بارے میں وہی کچھ سکھانا چاہتا ہوں جو ایک مسلمان کے بچوں کو سیکھنا چاہیے۔ آپ جانتی ہیں کہ پبلک سکولوں میں بچوں کو جو پڑھایا جاتا ہے۔ ان سے وہ ایک اچھے سرکاری عہدیدار تو بن سکتے ہیں۔ مگر اچھے انسان نہیں ایسے جو مذہبی بھی ہوں۔ میں اپنے بچوں کو کسی پبلک سکول میں بھیج کر انہیں جارج واشنگٹن اور تھامس جیفرسن کے بارے میں کچھ سکھانا ہرگز پسند نہیں کرتا۔ البتہ میں انہیں ایسی تاریخ پڑھانا چاہتا ہوں جو ان میں سوجھ بوجھ خودداری اور ان کے خیالات میں آزادانہ شان وشکوہ پیدا کر سکے۔

میری بچیاں مسلم ٹریننگ سکول میں پڑھتی ہیں۔ علوم شہریت کے علاوہ وہ مختلف زبانیں بھی سیکھتیں ہیں۔ میری بڑی لڑکی مریم کی عمر سات برس ہے وہ انگریزی، عربی اور سپنش بول سکتی ہے۔ میری دوسری بچی ریشمین جس کی عمر پانچ برس ہے۔ وہ انگریزی عربی اور پرتگیزی بول سکتی ہے۔ اور اس سے چھوٹی جمیلہ انگریزی عربی اور اٹالین بول سکتی ہے۔ اور میرا لڑکا محمد علی جونیئر انگریزی، عربی اور فرانسیسی بول سکتا ہے۔

جب میری عمر پنتالیس برس کی ہو جائے گی۔ تب خدا تعالیٰ نے مجھے زندگی دی تو میں اپنی بیوی بچوں کو ساتھ لے کر ساری دنیا کا دورہ کروں گا۔ خدا کی اس وسیع وعریض دنیا کا کونہ کونہ دیکھنے کی خواہش رکھتا ہوں۔ محمد علی نے میری طرف دیکھا کر کہا جی ہاں! میرا یہی ارادہ ہے۔

اگر چہ محمد علی نے اعلیٰ تعلیم نہیں پائی مگر اس کا خیال ہے کہ اس کے بچے اعلیٰ تعلیم سے ضرور آراستہ ہوں۔

مگر جب میں نے اسے کہا کہ اگر اس کا لڑکا محمد علی جونیئر باکسر بن گیا تو؟

میرے اس خیال پر محمد علی کے لبوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

بلینڈا ہر دکھ میں برابر کی شریک ہے

ورلڈ ہیوی چیمپئن محمد علی کی شخصیت اتنی پراسرا نہیں ہے جتنی کہ اسے مغربی خبر رساں ادارے ظاہر کر رہے ہیں۔ البتہ یہ بات قرین حقیقت ہے جس قدر کوئی شخصیت غیر معمولی اہمیت اختیار کر لیتی ہے۔ اس کی معمولی معمولی باتوں کو حکایات اور اسرار اور اسے پیش آمدہ واقعات کو داستان بنا دیا جاتا ہے۔

کامیابی ایک ایسا فعل ہے جو یک دم وارد ہوتا ہے۔ اور اس کے بارے میں کوئی مرجبہ علم پیش گوئی یا قیاس آرائی کی اجازت نہیں دیتا تاہم اکثر وجدان اس کی نشاندہی کر سکتا ہے۔ مگر ہر پڑھا لکھا فرد صاحب وجدان نہیں ہوتا۔ اور وجدان بھی کوئی کسبی علم نہیں ہے۔ مگر یہ حقیقت ہے افسانہ ہے مازبان طرازی ہے۔ بہر حال وجدان کے واسطہ سے یہ ایک الگ بحث ہے۔ جو اس وقت مفقود نہیں ہے۔ یہ اس انتیس سالہ محمد علی کی کامیابی کی ایک مسلسل داستان ہے۔ جسے امریکہ کے نقاد اور ناول نگار ویلفرڈ ڈشیڈ نے لکھا ہے یہ ستمبر ۱۹۷۵ء کے پہلے ہفتے کی بات ہے ان دنوں محمد علی نیویارک میں تھا۔ یہ کتاب یا تو علی کے بریف کیس میں ہوتی یا پھر اس کے میز پر دھری رہتی کتاب کی ابتدا علی کے لڑکپن کے واقعات سے ہوتی ہے۔ اور جب وہ ایک امریکی سپورٹس مین اینگلو ڈنڈی کے میامی میں واقع جمنیزیم میں مشق کیا کرتا تھا۔ ان دنوں وہ صرف دو جگہوں پر آتا جاتا تھا۔ بیڈروم سے ڈریسنگ روم تک۔ محمد علی نے ان دنوں کہا تھا کہ وہ آرک بشپ بننا نہیں چاہتا۔ وہ ہیوی ویٹ کا ورلڈ چیمپئن بنے گا اور شہرت حاصل کرنے کے لئے سب کچھ کرے گا اس طرح وہ دنیا کا عظیم شخص بن جائے گا اسے اپنی عظمت برقرار رکھنے کے لئے سینٹ بننا ہوگا۔ ایک ایسا فرد جو با اصول ہوں۔

اتفاق ہے کہ محمد علی ایک ایسا شخص بن گیا ہے جو دنیا بھر میں مشہور ہے اور اب وہ اسلام کا مبلغ بننا پسند کرتا ہے۔ محمد علی کی تقریر سننے کے لئے عام طور پر ایسے لوگ اسے

مدعو کرتے ہیں جو خود علمی زندگی میں ایک اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ اکھاڑے میں تو اس کا کھیل دیکھا جاتا ہے۔ کسی یونیورسٹی کے آڈیٹوریم میں اس کی باتیں سنی جاتی ہیں۔ آکسفورڈ یونیورسٹی میں کسی ان پڑھ کا کیا گزر مگر جون ۱۹۷۵ء میں وہ بھی محمد علی کو مدعو کرنے پر مجبور ہوئی ایک ہزار نابغہ روزگار حاضرین میں کثیر تعداد یونیورسٹی کے پروفیسروں کی تھی۔

محمد علی نے کہا:

ایک عقل مند آدمی بیوقوفی کی حرکت کرسکتا ہے۔ مگر ایک بے وقوف عقل مندوں جیسی حرکت نہیں کرسکتا۔ سو لوگ کہتے ہیں کہ میں اداکاروں جیسی حرکتیں کرتا ہوں۔ جی ہاں کرتا ہوں اس لئے کہ میں ایک عقل مند انسان ہوں۔

محمد علی نے جب یہ کہا تو حاضرین مبہوت بیٹھے تھے اس کے بعد اس نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے اپنی بات پر زور دیا کہ ایک بڑے آدمی کی حیثیت میں میں کیا محسوس کرتا ہوں۔

اور میں اسے نظم کی ردیف میں دو الفاظ میں بیان کرتا ہوں۔

Me? Whee

جناب محمد علی کی کامیابیاں جس طرح محیر العقول ہیں ان کی باتیں بھی حیران کن ہیں۔

برطانیہ کی خاتون صحافی میری اناچک کے سوال پر محمد علی نے بتایا تھا کہ اس کا بیٹا محمد علی جونیئر باکسر بننا پسند نہیں کرے گا۔

وہ جوں جوں تعلیم حاصل کرے گا۔ اس کا ذہن روشن ہوگا۔ یہی بات میں چاہتا ہوں۔ باکسنگ ایک سخت کھیل ہے۔ بلکہ ظالمانہ کھیل ہے۔ مجھے کہنے دیجئے کہ یہ ایک طرح کا جوا بھی ہے۔ میرا بیٹا وزیر بنے گا تاکہ وہ لوگوں کی بہبودی کے لئے کام کرسکے۔ یا وہ ایک بین الاقوامی مُصلح بنے گا۔ تاکہ دنیا کی اونچ نیچ کی دیواروں کو

گراس کے۔علی کا لہجہ جذباتی ہوگیا۔

میری انا چک کے سوال پر کہ وہ بیٹیوں کے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔ میں یقینی طور پر ان کے کیریئر کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا البتہ ایک بات ابھی سے واضح ہے کہ مذہب اسلام کے بارے میں وہ سختی سے کاربند ہوں گی۔ جب مذہب کی گود میں ان کی تربیت مکمل ہوجائے گی تو پھر وہ کسی مسلم ہسپتال میں بطور نرس یا سیکرٹری کام کرنے میں آزاد ہوں گی۔ اور شادی کے بعد یہ بات ان کے شوہروں اور ان کے افراد کنبہ کی صوابدید پر ہوگی۔ وہ خدمت خلق کا موقع دیں یا گھریلو امور تک ان کی ذمہ داریاں محدود رکھیں۔ مگر میں یہ کبھی نہیں چاہوں گا کہ میری لڑکیاں بڑے شہروں کے دفاتر میں نوکریاں تلاش کرتی پھریں۔ البتہ میں انہیں مسلمانوں کے قائم کردہ رفاہی اداروں میں ملازمت کرنے کی اجازت دوں گا۔ امریکی سوسائٹی میں نوعمر لڑکیوں کو دفاتر کی ملازمتوں میں نہ صرف اپنے باس کو خوش رکھنا پڑتا ہے۔ بلکہ اس کی ہر خواہش کے آگے سر جھکانا پڑتا ہے۔ اگر ایک لڑکی جوہر عصمت سے محروم کردی جائے تو ایسی ملازمت پر لعنت بھیجنی چاہیے۔

میں اپنے بچوں کو اس غرض سے تعلیم دلوا رہا ہوں کہ اپنی زندگی کا مقصد پالیں۔ میری بیٹی مریم چاہتی ہے کہ وہ بڑی ہو کر ڈاکٹر بنے گی۔ محمد علی نے یہ بات کہتے ہوئے صحافی خاتون میری کیطرف سوالیہ انداز میں دیکھا اور پوچھا۔

ہم سب زندگی کا ایک مقصد قرار دیتے ہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ بچپن میں بچوں کے بارے میں ان کی زندگی کا کوئی مقصد متعین نہ کریں۔

مجھ کو دیکھو میری عمر ۳۳ برس ہے۔ فرض کرو میں تیرہ برس مزید جیوں گا۔ اگر آپ ایک انسان کی تمام زندگی کی مصروفیات کا شمار کریں۔ جیسا کہ آپ میرے بارے میں کرسکتی ہیں۔ میں اب تک اپنی زندگی سوکر گزارتا ہوں۔ یا میں علم سیکھتا ہوں۔ ٹیلی ویژن دیکھتا رہا ہوں۔ یا سفر میں رہتا ہوں۔ بچوں اور ان کی تربیت کے

بارے میں میرا ایک خاص نظریہ ہے کہ انہیں ہر طرح کا تحفظ دیا جائے۔ ان کی ہر ضرورت کو پورا کیا جائے۔ بچے تو عام لوگوں کے بھی پل جاتے ہیں۔ مگر میں ایک ایسا باپ ہوں جو بچوں کی تربیت سے قطعی لاتعلق نہیں رہ سکتا۔ سو میرا خیال یہ ہے کہ جب بچے عملی دنیا میں قدم رکھیں تو ان میں پورا پورا اعتماد ہو۔ تاکہ وہ موجودہ دنیا کی رفتار زندگی پچاس برس تک جی سکیں۔

یہ کہتے کہتے محمد علی کی آواز میں تمکنت پیدا ہوتی چلی گئی۔

میں اپنے بچوں کو بتاتا ہوں خدا تعالیٰ نے ہر شے کا کوئی نہ کوئی مقصد متعین فرما رکھا ہے۔ کارخانہ قدرت میں کوئی چیز بیکار اور بے مصرف نہیں ہے۔ کوئی کنگری اگر قوت گویائی پا کر یہ کہے کہ میں بیکار ہوں تو یہ غلط ہوگا کوئی مفلوک الحال یہ کہے کہ میرے بغیر دنیا کا کون سا کام بند ہو جائے گا۔ یقیناً اس کی سوچ صحیح نہیں ہے۔ دنیا کی ہر چیز مقصد رکھتی ہے۔

اشجار درخت ایک مقصد رکھتے ہیں

بارش ایک مقصد رکھتی ہے

برف باری ایک مقصد رکھتی ہے

ہر پودے در وئیدگی کے پیچھے ہزاروں مقاصد چھپے ہیں۔ کوئی چھوٹا ہے یا بڑا، اس کا ایک مقصد ہے۔

درند پرند چرند اور حشرات الارض سب کوئی نہ کوئی مقصد ضرور رکھتے ہیں۔ ہم انسان بھی ایک مقصد رکھتے ہیں اس کو پورا کرنے میں لگے رہتے ہیں۔

محمد علی بھی تو ایک مقصد رکھتا ہے۔ جسے غلط طور پر ایک غصیلا انسان کہا جاتا ہے۔ جس پر ٹی وی فلمیں بنائی جاتی ہیں۔ اُسے باکسنگ کی مشین خیال کیا جاتا ہے۔ محمد علی جو کچھ ہے۔ آپ کے سامنے ہے۔ میرا مقصد ہیوی ویٹ چیمپئن بننا تھا مجھے سیاہ فام ہونے پر فخر حاصل ہے میں ایک آزاد خیال سیاہ فام چیمپئن بننا چاہتا تھا۔ جو

کسی ٹیلی ویژن نیٹ ورک والوں سے یہ کہہ سکے کہ وہ جو کہے گا ٹیلی کاسٹ کیا جائے گا اور اگر اسے ریڈیو پر انٹرویو کے لیے بلایا جائے تو جو اس کے ذہن میں آئے وہ کہہ گزرے اور ریڈیو والے براڈ کاسٹ کرنے میں کسی سنسر کا سہارا نہ لے سکیں۔ جو اپنا آبائی نام ترک کر سکے جو ہر شرط نامہ کو پھاڑ سکے جو اپنی ہر شرط منوا سکے جو ہر بات کو دوزخ میں جھونک سکے۔ محمد علی بلا تکان بولتا چلا گیا پھر رک کر کہنے لگا میں یہی کچھ بننا چاہتا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ میں وہ بن گیا ہوں جو میں نے اپنے مقصد مقرر کیا تھا۔ تا کہ میرے ہم نسل سیاہ فام لوگ اسی قسم کے مقصد کو پانے کے لیے میری مثال کو رہنما قرار دے سکیں۔ اور اگر یہ مقصد چلانے سے حاصل ہو سکتا ہو تو وہ گولی سے کام لے سکیں۔ (جناب محمد علی کا یہ اشارہ اس نسلی امتیاز کا غماز ہے جو اب بھی اکثر سفید فام ممالک میں سیاہ فام (حبشیوں) سے روا رکھا جاتا ہے)۔

جب آپ کسی مقصد کا تعین کر لیتے ہیں تو اسے پانے کے لیے ہر قربانی دینے کو تیار ہو جاتے ہیں یہی مقصد کی سچائی اور حقانیت کی دلیل ہے۔ کیونکہ بُرے مقصد کے لیے آدمی قربانی نہیں دیتا بلکہ جوا کھیلتا ہے، اکثر ہار جاتا ہے، مگر مقصد حق کے لیے وہ ہر حالت میں جیت جاتا ہے۔ میں نے مقصد کی حقانیت کے لئے بہت بڑی قربانی دی ہے اور میں نے اسے پالیا ہے۔ مگر میرا مقصد دوہرا ہے، جس کی وضاحت جناب محمد علی نے یوں کہ کہ ورلڈ چیمپئن بن کر اپنی آمدنی کو لوگوں کی بھلائی پر خرچ کر رہے ہیں۔

محمد علی نے کچھ دیر توقف اختیار کیا۔ میری نے پوچھا شادی اور عورت کے مجلسی کردار کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ اسلامی تعلیمات اور روایات کے مطابق عورت کو گھر میں رکھا جاتا ہے۔ اور وہ گھر کے معاملات و امور کی امین ہے اور وہ کانفرنسیں نہیں کرتی پھرتی۔ ایک مسلمان عورت حیا دار ہوتی ہے جب وہ لوگوں کے سامنے آتی ہے تو اس نے اپنا چہرہ ڈھانپ رکھا ہوتا ہے۔ امریکہ میں اگر یہ ممکن

نہیں ہے تو اسے ٹخنوں تک پوشش کرنا لازم ہے۔ پیشانی تک اپنے سر کو ڈھانپ کر رکھنا ہوتا ہے۔ ایک عورت مرد کی کھیتی ہے اور عورت ایک قوم کو تیار کرتی ہے۔ اگر مرد اپنی کھیتی کی حفاظت ونگہبانی نہ کر سکے گا تو اس کھیتی سے جو قوم تیار ہوگی وہ ایک بری قوم ہوگی۔

محمد علی نے کہا کہ وہ مختلف نسلوں میں ازدواجی رشتوں کے حق میں ہے اسکا نظریہ مسلمان اقوام کے بارے میں ہے۔ اسکی وضاحت محمد علی نے اس طرح کی دیکھو! میرے دو بچے مجھ جیسے ہیں اور میرے دو بچے میری بیوی بلینڈا جیسے میں یہ درست ہے کہ انسان سب سے زیادہ محبت اپنی ذات سے کرتا ہے۔ کیونکہ نیلے رنگ کے پرندے نیلے رنگوں والے پرندوں کے ساتھ رہتے ہیں اور ایک سی اڑان کرتے ہیں۔ کالے رنگ کے پرندے کالے رنگوں والے پرندوں کے ساتھ رہتے ہیں اور ایک سی اڑان کرتے ہیں۔ کالے رنگ کے پرندے کالے رنگوں والے پرندوں کی مجالست میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ ہم مسلمانوں کا اپنا مخصوص نظریہ حیات ہے۔ ہم اپنی عورتوں کا احترام کرتے ہیں اور انہیں سو فیصد قابو میں رکھتے ہیں۔ کیونکہ کسی معاشرے کی بے لگام عورتیں پورے معاشرے کو لے ڈوبتی ہیں۔ ہم مسلمانوں کی کامیابی کی یہی دلیل ہے کہ ہمیں اپنی عورتوں پر قابو حاصل ہے۔

جناب محمد علی کی شادی کو آٹھ برس گزر گئے ہیں۔ ان کی باصلاحیت اور حیثیت بیوی محترمہ بیلنڈا ایک سمجھدار خاتون ہیں۔ وہ علی کی سابقہ بیوی سونجی رائے سے بھی زیادہ باصلاحیت ہے، حالانکہ بیلنڈا سونجی سے بہت تھوڑی لکھی پڑھی ہیں۔ سونجی کو طلاق کی وجہ پردہ ہے۔ کیونکہ اس نے علی کے کہنے کے باوجود پردہ اختیار کرنے سے انکار کر دیا تھا اور مسلمانوں کے طور طریقوں کو اپنانے سے بیزاری کا اظہار کیا تھا۔ مگر بیلنڈا سے شادی کی کامیابی کی ایک وجہ یہی ہے کہ محمد علی کی ہر کامیابی کے پیچھے بیلنڈا کھڑی نظر آتی ہے۔ مگر بہت کم لوگوں کی نظر ادھر جاتی ہے۔ بیلنڈا محمد علی کے دکھ سکھ

کی شریک ہے۔ان کی جگہ کوئی اور امریکی عورت ہوتی تو محمد علی کو چھوڑ کر چلی جاتی۔ محمد علی کی شادی کو دو ماہ گزرے ہوں گے کہ انہیں پے در پے ناکامیوں اور مایوسیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ویت نام کی جنگ میں انکار پر حکومت امریکہ نے ان کا بین الاقوامی پاسپورٹ معطل کر دیا اور انہیں لام بندی میں عدم شرکت کے فعل پر ۵ برس قید کی دھمکی دی گئی اور ان کا ہیوی ویٹ چیمپئن کا ٹائیٹل اور اعزازات سے محروم کر دیا گیا۔ امریکہ میں بھی کسی باکسنگ مقابلہ میں شرکت کو غیر قانونی ٹھہرایا گیا۔ حد یہ کہ اسے ذریعہ آمدنی تک سے محروم کر دیا گیا۔ وہ اگرچہ اپنے ملک میں آزاد تھا مگر جسم کا، اس کی روح کو قید کر دیا گیا تھا۔ یہ صورت حال بڑی دل دوز اور روح فرسا تھی۔ اس کا ذریعہ آمدنی کالجوں کے وہ لیکچرز تھے جو وہ کسی کال کی دعوت پر دیا کرتا تھا۔ مگر یہ کوئی روز نہ ہوتے تھے۔ مہینہ میں ایک آدھ بار، مگر اس ساری مالی ابتری کا بیلنڈا کے دل پر کوئی اثر نہ تھا۔ وہ اپنی ذات کو محمد علی میں گم کر چکی تھی۔ اس صورت حال نے طول کھینچا تو محمد علی لام بندی پر نیم رضامند ہوا تو بیلنڈا نے اسے اپنے مذہبی موقف پر قائم رہنے کی ڈھارس بندھائی۔ جناب محمد علی کا کہنا تھا کہ ویت نام کی جنگ مظلوموں پر ظلم کے مترادف تھی کیونکہ اسلام کسی پر ظلم کرنیکی اجازت نہیں دیتا۔

بیلنڈا محمد علی کی شخصیت اور ذات سے بے حد محبت کرتی ہے اور انکے دل میں علی کی بڑی قدر و منزلت ہے۔ جب کن نارٹن سے مقابلہ میں محمد علی کا جبڑا ٹوٹ گیا تھا۔ بیلنڈا کے لئے یہ منظر بڑا ہولناک تھا اور وہ یہ دیکھ کر بے ہوش ہو گئی تھیں۔ بے ہوشی کا دورہ اتنا شدید تھا کہ ازاں بعد بیلنڈا کو ہسپتال داخل کرنا پڑا تھا۔ محمد علی کا جبڑا ٹوٹنے کی ناگوار یاد اس وقت بیلنڈا کے دل سے محو ہوئی جب زائرے میں محمد علی نے گذشتہ سال ۷۴ء میں جارج فورمین کو شکست دے کر باکسنگ کا ہیوی ویٹ ٹائیٹل دوبارہ حاصل کر لیا تھا۔

میرے بیوی بچے

راز کی بات اپنی بیوی سے بھی نہ کہنی چاہیے

منیلا کے مقابلہ میں جب محمد علی کی نجی زندگی کے بارے میں نہ صرف فلپائن بلکہ جنوبی مشرقی ایشیا کے اخبارات میں بے سروپا باتیں شائع ہوئی تھیں۔جن کے مطابق محمد علی کا اپنی بیوی کے ساتھ بے مہر رویہ خاص طور پر خبروں کا موضوع بنتا رہا۔ یہ کہ محترمہ بیلنڈا محمد علی سخت غصے کے عالم میں شکاگو کی جس فلائٹ سے منیلا پہنچی تھیں۔محمد علی سے ورنیکا کی رفاقت کی وجہ سے لڑ جھگڑ کر اسی سے واپس چلی گئیں۔ واضح رہے ورنیکا محمد علی کی رشتہ دار ہیں۔وہ گذشتہ برس ہاورڈ یونیورسٹی میں محمد علی اور بیلنڈا کے ساتھ تھیں۔مگر فلپائن کے اخباروں میں انہیں شوخ ماڈل گرل ظاہر کیا گیا اور یہ بھی کہا گیا کہ محمد علی ان کے ساتھ شادی کی سوچ رہے ہیں۔

میاں بیوی کے باہمی تناؤ کو بے مہری کی خلیج قرار دے کر یہاں تک لکھا کہ بیلنڈا اب کچھ نہ کچھ ضرور کرے گی۔اس میں کوئی شک نہیں جہاں محبت ہوتی ہے وہیں اختلاف بھی پیدا ہوسکتا ہے۔پھر گھریلو زندگی میں تو صبح وشام میاں بیوی کے درمیان کئی اختلافات سامنے آتے رہتے ہیں۔مگر ان کی نوعیت وقتی ہوتی ہے۔جس طرح وقت بہرصورت گزر جاتا ہے۔اختلاف بھی آخر کار مٹ جاتا ہے۔

جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ بین الاقوامی شہرت یافتہ شخصیت رکھنے کے باوجود محمد علی میں تکبر نہیں بلکہ تدبیر پیدا ہوا ہے۔انکا نقطہ نظر تنگی فکر کا محور نہیں ان کی سوچ کا دائرہ نوع انسان سے محبت پر محیط ہے۔

جناب محمد علی نے کہا میری مصروفیات اتنی ہمہ گیر ہیں کہ بچوں کو دیکھ بھال یا ان کے ساتھ رہنے کے لئے مجھے بہت کم وقت ملتا ہے۔مگر میں اپنے بیوی بچوں کی کسی ضرورت سے بے خبر نہیں ہوں۔میں شکاگو اکثر آتا جاتا رہتا ہوں۔کیونکہ وہ شکاگو

میں رہتے ہیں۔چونکہ ہمارا آبائی گھر وہیں ہے۔بیلنڈا گھر کا انتظام چلاتی ہیں۔میرا گھر امریکی مسلمانوں کی جماعت تحریک اسلامی کے صدر دفاتر سے بالکل قریب ہے اس تحریک اسلامی کے تحت مسلمان بچے بچیوں کے لئے ایک سکول بھی قائم کیا گیا جہاں بیلنڈا کام کرتی ہیں۔وہ اس سکول میں نگران ثانی ہیں۔اس سکول میں آج کل ایک سو پچاس بچے زیر تربیت ہیں۔انہیں بچپن ہی سے جوڈو سکھائی جارہی ہے تاکہ وہ بڑے ہو کر حفاظت خود اختیاری کا فن سیکھ کر انسانی مظالم اور ستبر دز مانہ کی چیرہ دستیوں سے بچ سکیں۔

میری بیوی سرتاپا انسانیت کا مرقع ہے جی ہاں! جب میں نے ان سے شادی کی تب ان کی عمر سترہ برس تھی۔اب انکی عمر چوبیس برس ہے اور وہ سب کچھ اعتماد کے ساتھ کرسکتی ہے۔کیونکہ کئی امور ایسے ہوتے ہیں جنہیں پختگی عمر کی وجہ سے سرانجام دیا جاسکتا ہے۔بالغ نظری بھی پختگی عمر کی طرح اللہ تعالیٰ کا ایک عطیہ بے بہا ہے۔

علی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ اب وہ گھر چلاسکتی ہے۔بچوں کی بہتر پرورش اور تربیت کرسکتی ہے بازار جا کر خود سودا سلف خرید سکتی ہے۔اور زندگی کی سختیوں کا مقابلہ کرسکتی ہے۔محمد علی جب بولتا ہے تو یوں لگتا ہے جیسے وہ رنگ میں کھڑا ہو اور تابڑ توڑ طریقوں سے مکوں کی بارش برسا رہا ہو۔اس کے بات کرنے کا انداز اس کے مکے بازی کی طرح ہے کہ ایک کے بعد ایک بات اس کے لبوں سے نکلتی چلی جارہی ہے۔

شکاگو میں ہمارے پاس جو مکان ہے وہ انگریزی طرز تعمیر کا قدیم نمونہ ہے۔اس میں ۱۶ کمرے ہیں۔بیلنڈا ان سولہ کمروں کی سجاوٹ خود کرتی ہے اور خود اپنی نگرانی میں اور ہاتھوں سے ہر چیز کو وہیں رکھتی ہے۔جہاں اسے رکھنا چاہیئے۔علی نے کہا کہ بیلنڈا کو اس کی سہیلیاں اور ہماری رشتہ دار خواتین جو ملنے آتی ہیں انہیں بیلنڈا کی سلیقہ شعاری اور مہمان نوازی کا خوب تجربہ ہے۔وہ عورتوں کے ساتھ

فیاضیانہ سلوک کرتی ہیں ۔ میں گھر سے باہر معاملات کی نگرانی کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ کوئی معاملہ غلط تو نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے ہم میاں بیوی خوش وخرم زندگی گزارتے ہیں۔ جی ہاں آپ یہ سن کر حیران ہوں گے۔ میری بیوی میرے معاملات میں کبھی مداخلت نہیں کرتی اور نہ وہ میرے دفتر میں آتی ہے۔اور نہ میری بےخبری میں میری جیبوں کی تلاشی لیتی ہےاور جب میں کسی کوفون کر رہا ہوتا ہوں یا کسی کال کوسن رہا ہوتا ہوں تو بلاوجہ میرے قریب آ کر کبھی کھڑی ہونے کی کوشش نہیں کرتی یہی وجہ ہے کہ میں نے کبھی اس سے کوئی بات نہیں چھپائی۔ میں نے اسکی ایسے طور پر تعلیم وتربیت کی ہے کہ اسے چاپلوسی اور خوشامد کی عادت نہیں رہی جو عام طور پر بیویاں اپنے شوہروں کی کرتی ہیں۔اگر آپ بہ کشتن روز اول کے حامی نہ بھی ہوں ۔اپنی بیوی کیساتھ کبھی غلط بیانی سے کام نہ لینا چاہیے۔ کیونکہ جب ایک بیوی بھی غلط بیانی سے کام لینا شروع کردے تو خاندان کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ سب کچھ اپنی بیوی کے آگے اگل دیں کیونکہ کچھ رازداری کی باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں عورت برداشت نہیں کرسکتی۔اس لئے ان کا پردہ اخفا میں رہنا ضروری ہے۔ لازم ہے کہ موقع محل کے مطابق اپنی بیوی کو ہر مسئلہ میں دل جوئی ہونی چاہیے۔ کیونکہ ایک شوہر کے کئی دوست ہو سکتے ہیں ۔مگر ایک بیوی کا دوست صرف ایک ہوتا ہے اور وہ ہے اس کا شوہر۔

آپ جانتے ہیں کہ جب ایک بیوی اپنے شوہر کی فون پر ہونے والی گفتگو کو سن لیتی ہے تو یہ شنید اسے اشتعال دلا سکتی ہے۔ کیونکہ عورت ہر مسئلے و معاملہ میں تقابل کرنے بیٹھ جاتی ہے۔ حالانکہ ایک عورت کو یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ اس کا شوہر کسی باتیں سن رہا ہے بلکہ یہ سوچنا چاہیے کہ اسکا شوہر کیا ہے اور لوگ اس کے بارے میں کیسا خیال یا نظریہ رکھتے ہیں۔

آپ نے سوچا ہوگا کہ محمد علی کیسی پراسرار باتیں کر رہا ہےاور یہ کہ وہ اپنی بیوی پر

بداعتمادی کا اظہار کر رہا ہے۔تو میں کہہ رہا تھا کہ ایک بیوی اپنے شوہر کی جیب کو دیکھ سکتی ہے۔اور اس کی ڈائری میں درج کسی غیر عورت کا پتہ یا فون نمبر پڑھ سکتی ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ دونوں چیزیں دیکھ یا پڑھ کر اس سوچ میں پڑ جائے کہ دال میں کچھ ضرور کالا ہے تو میں ایک بیوی کی سوچ کو صحیح قرار نہیں دے سکتا۔اگر ایک بیوی ان دونوں باتوں کو اہمیت دے ڈالے یا مسئلہ کھڑا کر دے تو آپ کو ڈھیروں کے حساب سے وضاحتیں کرنا پڑے گی۔اور بیوی مطمئن نہ ہوگی۔ یہ وضاحت آپ کو مصیبت میں مبتلا کر سکتی ہے بہتر ہے کہ وضاحت مختصر ہو اور اگر بیوی کا شک بدستور رہے تو اس کی فکر نہ کرنی چاہیے ایک بیوی اسی دن سے آپ پر خفیہ طور پر وہ نظر رکھنے لگے گی۔

مگر جب اس کا شک دور ہو جائے گا۔تو وہ آپ کی ذہانت کی معترف ہو جائے گی۔مگر آپ کے منہ پر اس کا اعتراف نہ کرے گی۔جناب محمد علی نے جب عورت کی نفسیات اور اس کے ملحقات کو تفصیل سے بیان کیا تو اپنی بات ختم کرنے سے قبل زوردار قہقہہ لگایا۔میری کا خیال ہے آج کل نہ صرف جناب محمد علی کی باکسنگ مقابلوں سے دنیا بھر کے لوگوں کو دلچسپی ہے۔بلکہ دنیا کے لوگ جناب علی کی بات دلچسپی سے سنتے اور پڑھتے ہیں۔مختلف ممالک میں ان کی باتوں کی کئی طرح وضاحت کی جاتی ہے۔اور ان کی شخصیت کے بھرپور تاثر یا طلسم کو کوئی بھی نہیں توڑ سکتا۔انہی خوبیوں نے محمد علی کی شخصیت کو بین الاقوامی موضوع اور دلچسپی کا مرکز بنا دیا ہے۔

میں محمد علی سے ان کی بیوی کے بارے میں ڈھیر ساری دلچسپ گفت گو سننے کے بعد سوچا کہ اب میں اپنے موضوع کا رخ بچوں کی طرف موڑ امیرا خیال تھا کہ بچوں کی کلی تربیت کا فریضہ جناب محمد علی انجام دیتے ہوں گے۔کیونکہ بین الاقوامی شہرت یافتہ باپ کے بچے تو غیر معمولی ہونے چاہئیں۔مگر میرا اندازہ غلط نکلا پوچھنے

پر پتہ چلا کہ بچوں کی تربیت کے معاملہ میں محمد علی نے اپنی بیوی کے طریقِ کار میں کبھی مداخلت نہیں کی۔

میری بیوی گھر کے ہر معاملہ میں نظم وضبط کو کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑتی۔ میں اپنے بچوں پر کبھی خفا نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ بیلنڈا کا کام ہے اور اسے ہی کرنا چاہیے۔ میں خفگی کے ذریعے اپنی توانائی ضائع نہیں کرنا چاہتا۔

میں نے کبھی اپنے بچوں کو نہیں مارا۔ جب میں اپنے گھر اپنے بچوں میں بیٹھا ہوتا ہوں۔ میری چھوٹی بچیاں اپنے ننھے منھے ہاتھوں سے میرے بالوں اور سر پر ہاتھ پھیرتی ہیں۔ اور میرے گلے سے چمٹ جاتی ہیں تو میں نے انہیں کبھی نہیں ڈانٹا۔ اگر ان سے کوئی معصوم خطا سرزد ہو جائے۔ تب بلینڈا انہیں ڈانٹ پلاتی ہے۔ کبھی ایک آدھ دھول بھی جما دیتی ہے۔ اور بچوں کو سزا دینے کا ان کا اپنا ہی طریق کار ہے اور وہ اپنی بچیوں میں قصوروار کو ایک کمرے میں لے جا کر بٹھا دیتی ہیں۔ انہیں اگرچہ نقل وحرکت اور کھانے پینے کی اجازت ہوتی ہے۔ مگر وہ ہفتہ تک ٹیلیویژن نہ دیکھنے کی پابندی عائد کر دیتی ہیں۔ ظاہر ہے یہ پابندی آج کل بچے بچیوں کے شوق ٹیلیویژن کی وجہ سے بڑی سخت ہے کیونکہ پروگرام خواہ کیسا ہی آ رہا ہو۔ بچے ٹکٹکی باندھ کر سیٹ کی طرف دیکھتے رہتے ہیں۔ بہر حال مجھے تو بچوں کی یہ سزا سخت معلوم ہوتی ہے۔ ایک بار میری بچی مریم کو اس کی ماں نے ایسی ہی سزا سنائی اور وہ کمرے میں قید کر دی گئی۔ میں نے اس کی ماں سے بالا بالا کمرے میں جا کر مریم سے بات کی کہ وہ چپکے سے کمرے سے نکل جائے۔ مگر اس نے اپنی ماں کی عائد کردہ پابندی کو توڑنے سے انکار کر دیا۔ مریم نے اپنی ماں کی تجویز کردہ سزا میں اپنی ماں ہی کی تربیت کا مظاہرہ کیا تھا اور وہ اپنی ماں کی بات سے انحراف نہ کر سکی حالانکہ وہ بچی تھی مگر چونکہ سورج اور اس کی روشنی بھی ایک ضابطہ کی پابند ہے اور اگر وہ اس ضابطہ کو توڑ دے تو دنیا میں اندھیری ہو جائے۔ نظم وضبط کی پابندی اور اس کی

تربیت اگر بچپن سے دیدی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ بڑے ہوکر ایسے بچے زمانے کے گرم سرد کو خندہ پیشانی سے نہ برداشت کرسکیں۔

اگر چہ میرا بیٹا عمر میں اپنی سے چھوٹا ہے اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جاسکتی۔ میں اسے بے ساختہ پیار کرتا ہوں اور اسے بھینچتا ہوں اور چومتا ہوں۔تو مجھے ایسا کرتے دیکھ کر اس کی ماں بیلنڈا کہتی ہے کہ تمہارے اس بے پایاں لاڈ پیار سے یہ بچہ بگڑ کر رہ جائے گا اور بڑا ہوکر جو کچھ بنے گا۔کم ازکم ایسا کوئی بچہ بھی بننا پسند نہ کرے گا۔

تاہم میرا بچہ بڑا ہوجائے گا تب میں اسے زندگی کے نشیب وفراز سے آگاہ کروں گا۔اگر وہ میری بات نہ مانے گا تو میں اسے سزا دوں گا۔کیونکہ ابھی تو بچہ ہے۔اور اپنے بچوں سے کسے پیار نہیں ہوتا۔محمد علی سے ان کی نجی زندگی اور بیوی بچوں سے مہر ومحبت کی باتیں سن کر اندازہ ہوتا ہے۔محمد علی جیسا سخت جان اور سخت کوش باکسر اندر سے کس قدر نرم اور گرم دل ہے۔اور جن لوگوں کو محمد علی کی زندگی کے اس رُخ سے آگاہی نہ ہوگی۔ان کے لئے یہ بات خوشگوار حیرت کا باعث بنے گی تب میں نے اس سخت جان اور مشکل پسند محمد علی کے بچپن کے بارے میں جاننے کیلئے ان کی والدہ محترمہ اوڈیسا کلے سے رجوع کیا جیسا کہ آپ پہلے صفحات میں پڑھ چکے ہیں وہ ملحقہ کمرے میں بیٹھی اپنے چھوٹے بیٹے عبدالرحمان سے باتیں کررہی تھیں۔

جب محمد علی چھوٹا لڑکا تھا محمد علی کو چھوٹے بچوں سے بڑی محبت ہوتی تھی وہ ننھے منے بچوں کو اپنی گود میں اٹھالیتا۔انہیں چومتا اور بھاگا بھاگا لئے پھرتا یہی وجہ ہے کہ اب وہ ایک اچھا باپ ہے اور اپنے بچوں کے لئے بے حد شفیق ہے۔میں اپنے پوتے پوتیوں کی موجودہ تعلیم وتربیت اور پرورش سے بہت خوش ہوں۔وہ بے حد ذہین اور شوخ بچے ہیں اور سارے کے سارے اپنے باپ پر گئے ہیں۔اور مجھے محمد

علی کی طرح ان بچوں پر بھی فخر ہے۔

محمد علی ایک اچھا لڑکا ہے۔ میں نے اسے والدین کی عزت کرنے کی تعلیم دی ہے۔ محمد علی اور میرا دوسرا بیٹا عبدالرحمان اب تک میری نصیحتوں کو پلے باندھے رکھتے ہیں اور میری ہر بات بغور سنتے ہیں اور انہوں نے کبھی میری بات کا بُرا نہیں مانا۔ مجھے وہ بچپن سے لے کر اب تک مومابرڈ کہہ کر بلاتے ہیں۔ ان کی زبان میں شیرینی اور میرے لئے محبت کے جذبات بدستور موجود ہیں۔ ان دونوں بھائیوں میں بڑا اتفاق ہے۔ دونوں کے مستقل گھر شکاگو میں ہیں اور وہ اپنے کنبے کے ساتھ علیحدہ علیحدہ رہتے ہیں۔ میں اکثر انہیں ملنے جاتی ہوں۔ اور میں اپنے پوتے پوتیوں کو دیکھ کر بے حد مسرت محسوس کرتی ہوں۔

میں اب بھی قصبہ لوئیس ویلی کنا چکی رہتی ہوں یہیں محمد علی کی پیدائش ہوئی تھی۔ مگر بارہ سال گزر چکے ہیں۔ میں نے اس مکان کو چھوڑ دیا ہے۔ اب محمد علی نے مجھے لوئیس ویلی میں ایک اور مکان خرید کر دیا ہے۔ یہ بہت اچھا مکان ہے اور مجھے اس وجہ سے پسند ہے کہ اسے میرے بیٹے محمد علی نے میرے لئے خریدا ہے۔ جب محمد علی اپنے جمنیزیم میں باکسنگ مشق کرتا ہے تو ان دنوں میں محمد علی کے پاس چلی جاتی ہوں اور وہیں رہنا پسند کرتی ہوں۔ میں اب بھی اپنے ہاتھوں سے کھانا پکا کر محمد علی کو دیتی ہوں۔ اگرچہ میری صحت اب اچھی نہیں رہتی۔ اس کے باوجود میں محمد علی کے بارے میں لکھی جانے والی کتابیں اور رسائل میں چھپنے والے مضامین کو اپنے ساتھ رکھتی ہوں اور مطالعہ کرتی ہوں اور اکثر محمد علی کے ساتھ اس کے غیر ملکی دوروں میں ساتھ جا چکی ہوں۔ اب تک محمد علی کے جتنے بھی مقابلے ہوئے ہیں۔ میں نے انہیں بہ نفس نفیس یا پھر انہیں ٹی وی پر ضرور دیکھا ہے۔ جب محمد علی باکسنگ رنگ میں اترتا ہے، مقابلہ شروع ہو جاتا ہے تو میں کبھی فکر نہیں کرتی کہ کیا کچھ ہونے والا ہے۔ بہر حال جو کچھ بھی ہوتا ہے۔ محمد علی اس پر گہری نظر رکھتا ہے۔ ہار جیت کا فیصلہ خدا

کے ہاتھ میں ہے۔

جتنا عرصہ محمد علی والدہ سے بات چیت جاری رہی۔محمد علی اپنے ڈریسنگ روم میں بیٹھے رہے اسی اثنا میں بیلنڈا محمد علی کا فون بھی آیا۔انہیں اپنی ذاتی چھ کاروں کے لائسنسوں کی تجدید کی فکر تھی۔کیونکہ معیاد تجدید ختم ہونے کو تھی۔

جب محمد علی ڈریسنگ روم سے باہر آئے۔اس طویل سلسلہ کلام کو پھر جاری کر دیا گیا۔تب میں نے پوچھا کہ وہ روزمرہ کی مشق کے علاوہ کونسی تفریح کو پسند کرتے ہیں اور طے شدہ پروگرام کے علاوہ وہ اپنے روز و شب کس طرح گزارتے ہیں اور امور بہبود عامہ میں کب دلچسپی لیتے ہیں۔

جب میں گھر پر ہوتا ہوں تو میں کسی ایک کمرہ میں بیٹھ جاتا ہوں اور ٹیلی ویژن سیٹ کھول کر پروگرام دیکھنے لگتا ہوں اور میں اپنے بچوں کے ساتھ شرارتیں کرتا ہوں۔اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ میں ان کے ساتھ کھیلنے لگتا ہوں۔تو وہ اودھم مچتا ہے کہ بیلنڈا کو کوفت ہونے لگتی ہے یا پھر میں اگر زیادہ فرصت میسر آجائے تو اپنی رولز رائیس کار میں بیٹھ کر گھومنے نکل جاتا ہوں اور میں کہاں جانا چاہتا ہوں۔اس کا فیصلہ کار میں بیٹھ کر کرتا ہوں۔مگر اکثر وقت گزاری کے لئے کار چلاتا ہوں۔میری سب سے بڑی خوشی اس بات میں مضمر ہے کہ مجھے دن کے وقت کوئی فون کال نہ آئے۔کیونکہ میں فون سنتے سنتے عاجز آجاتا ہوں۔مگر فون کالیں دفتر گھر اور ٹریننگ کیمپ میں میرا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔تاہم ہر شب بے فکر ہو کر سوتا ہوں اور جب میں چاہتا ہوں۔رات کو سو کر اٹھ بیٹھتا ہوں۔خواہ کتنی ہی رات باقی کیوں نہ ہو۔میں اپنے دوستوں کے ساتھ گھومنے پھرنے میں بڑی خوشی محسوس کرتا ہوں اور دوستوں کے ساتھ مل کر کسی اچھے ریستوران میں کھانا بے حد لطف دیتا ہے۔میں عام لوگوں کے ساتھ باتیں کرنے کو کبھی کسرِ شان فعل خیال نہیں کرتا،مگر جب میں کسی بات کا جواب دینا نہیں چاہتا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں نے کسی بات کا بُرا مان لیا ہے بلکہ یہ ہے کہ

میں خاموشی کو ترجیح دینا چاہتا ہوں۔

میری نے کہا کہ محمد علی اپنی بات ختم نہ کر پائے تھے کہ اچانک وہ جمنیزیم سے نکل کر اپنے ڈریسنگ روم کی طرف لپکے۔ پتہ چلا کہ انہیں کوئی فون کال آئی ہے اور وہ خاموشی پسند اور بسیار گو عظیم شخص کسی معذرت، بغیر کوئی عذر تراشے اٹھ کر یوں چلا گیا جیسے مجھے اس کی باتوں سے کوئی غرض ہی نہیں تھی۔ دوسرے ممالک سے آئے ہوئے متعدد اخبار نویس اور ٹیلیویژن کے پروڈیوسر اور کیمرہ مین صبح سے محمد علی سے ملنے کا انتظار کر رہے تھے کہ دفعتاً انہیں مطلع کیا گیا اور یہ اعلان محمد علی کے ایک ٹرینر نے کیا تھا۔ محمد علی آج مزید کسی دوسرے اخبار کو انٹرویو نہ دے سکیں گے۔ ٹیلیویژن کے اراکین سے اب اگلے دن ملاقات ہوگی۔

میری اناچک نے دل ہی دل میں سوچا کہ کم از کم وہ تو اپنا انٹرویو مکمل کر چکی تھیں۔ دوسرے منتظر پریس اور ٹی وی رپورٹروں کی طرح اگر اس نے بھی جناب محمد علی کی ذات کے بارے میں کوئی بات کہہ دی تو بلاوجہ ان کو اشتعال دلانے کے مترادف ہوگا۔ اور کچھ نہ کہنے کی سوچ کہ میری نے اپنا ٹیپ ریکارڈر بند کیا اور اسے کندھے پر لٹکا کر دروازے کے باہر قدم رکھا۔ رات معمول سے زیادہ سرد تھی۔ گھاٹیوں سے نیچے اتر کر ڈیرلیک ہوٹل میں رات بسر کی۔

اسی رات جب میں کھانا کھا رہی تھی۔ ویٹر نے مجھے فون کال کی اطلاع دی۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے ایک امریکی اخبار نویس جو مجھے جانتا تھا نے بتایا کہ میرے جانے کے بعد محمد علی نے میرے بارے میں پوچھا تھا اور کہا کیا اس لڑکی کو انٹرویو سے خاصا مواد مل گیا اور جو وہ مجھ سے پوچھنا چاہتی تھی۔ کیا وہ اس سے مطمئن ہو کر گئی ہے۔ کیا وہ تمہاری طرح کبیدہ خاطر تو نہیں ہوئی۔ اب یہ بات قارئین کے فیصلہ کی منتظر ہے کیا محمد علی ایک عظیم انسان نہیں ہے۔

امریکہ کے کروڑپتی افراد

دولت کی بارش

اس عظیم الشان استقبال کے بعد محمد علی اپنے والدین اور جو مارٹن کے ساتھ اپنے آبائی شہر لوئیس ویلج پہنچ گیا نیویارک کے قیام کے دوران ولڈورف اسٹوریا کے کروڑپتی مالک آر جے رینالڈز نے محمد علی کو مسلسل دس برس تک ایک لاکھ ڈالر سالانہ بونس دینے کے علاوہ باکسنگ مقابلے سے ہونے والی آمدنی سے معقول رقم ادا کرنے کی پیشکش کی تھی جو مارٹن کے نزدیک معاہدہ کی شرائط سراسر محمد علی کے حق میں تھیں۔ یوں بھی ایک پیشہ ور باکسر کو اگر مستقل آمدنی کا کوئی مضبوط ذریعہ میسر آجائے تو پھر اسے اخراجات زندگی کو پورا کرنے کے لیے کوئی دوسرا کام تلاش کرنے کی حاجت نہیں رہتی۔ اس ذریعہ آمدنی کی موجودگی میں وہ اپنا بیشتر وقت اپنے فن میں یکتائی حاصل کرنے میں صرف کرسکتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بہت سے ذہین وفطین اہل قلم اپنی تخلیقات کو اس لئے منظر عام پر نہیں لا سکتے کیونکہ ان کے فن کا کوئی قدردان یا خریدار نہیں ہوتا۔ نتیجتہ انہیں دال روٹی کے لیے روزگار ضرور تلاش کرنا پڑتا ہے۔

بہر حال رینالڈز کے معاہدہ پیش کش میں خاصی کشش تھی۔ پیشتر اس کے کہ محمد علی کی طرف سے اس صاد کہی جاتی۔ محمد علی نے نہ صرف اپنے والد، والدہ بلکہ جو مارٹن اور اپنے قانونی مشیر سے صلاح مشورہ کرنا ضروری خیال کیا۔

محمد علی کے والد نے معاہدہ پر دستخط کرنے سے انکار کردیا۔ مارٹن کا کہنا ہے کہ اسے اس انکار پر بہت حیرت ہوئی کیونکہ محمد علی کے مستقبل کیلئے یہ ایک اچھا معاہدہ تھا۔ مگر جب اس نے محمد علی سے پوچھا کہ اس سلسلہ میں اس کا آخری فیصلہ کیا ہے۔ تب محمد علی نے بھی اپنے والد کی ہاں میں ہاں ملادی۔ جو مارٹن کو اس مکرر انکار پر مزید

حیرت ہوئی۔ اس نے بڑا زور مارا کہ محمد علی کو کسی نہ کسی طرح اس معاہدہ پر آمادہ کرلے مگر محمد علی نے ایک ناصح کی طرح جو مارٹن کو بتایا کہ میں اپنے والد کی بات یا پسند کو مسترد نہیں کرسکتا۔ کیونکہ یہ میرے والد ہیں۔ جنہوں نے مجھے ہیوی ویٹ چیمپئن بننے میں مدد دی اور وہ مجھے اچھی سے اچھی خوراک دیا کرتے تھے۔ جب میں بچہ تھا تب انہوں نے میری پرورش ناز و نعمت سے کی ہے۔ اور شاید آپکو معلوم نہ ہو کہ وہ میری والدہ سے اکثر اس بات پر لڑا کرتے تھے کہ وہ مجھے گوشت کی بوٹیاں نہیں کھلاتی۔ میری والدہ اکثر یہ جواب دیا کرتی تھیں کہ ابھی اس کے دانت اتنے مضبوط نہیں ہیں کہ وہ انہیں چبا سکے۔

تب جو مارٹن پھر محمد علی کی طرف دیکھنے لگا اس کا خیال تھا کہ شاید وہ جو مارٹن کی بات مان جائے گا۔ محمد علی کو اپنے والد کا بے حد پاس تھا۔ محمد علی سے اپنے بارے میں یہ باتیں سُن کر کاسیس کلے سینئر کا دل فرط محبت سے اُمڈ آیا۔ تب انہوں نے محمد علی کو مخاطب کر کے کہا میرے بچے! میری باتوں کو غور سے سنو۔ تمہیں اپنے والد کی کسمپرسی کے وہ دن یاد نہیں ہوں گے۔ تمہیں یہ نہیں پتہ ہوگا کہ میں تمہارے لئے روزی کی تلاش میں ننگے پاؤں چلنے پر مجبور ہوا کرتا تھا۔ تمھیں یہ بھی یاد نہ ہوگا کہ تمہارے لئے اچھے کپڑے اور اچھی خوراک مہیا کرنے میں مجھے کتنے کٹھن کاموں کے لیے جتن کرنا پڑتا تھا۔ سنو میرے بچے تم وہی کرو جو میں کہتا ہوں۔ یہ کہتے کہتے محمد علی کے والد کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

یہ معاہدہ نہ کرنے کی اصل وجہ یہ تھی کہ محمد علی کے والد نے دفعتاً جب اپنے بیٹے کی عالمگیر شہرت کو دیکھا تو انہیں اندازہ کرنا محال ہوگیا تھا اور وہ فوری طور پر کوئی فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں نہ تھے۔ ایک بات خاص طور پر توجہ کی مستحق ہے کہ امریکہ میں سیاہ فاموں پر پولیس عام طور پر شبہ کرنے کی عادی ہے۔ اگر چوری چکاری اور دنگا و فساد کی کوئی واردات کسی ایک گلی میں ہوجائے تو شہر بھر کے تمام سیاہ

فاموں کو پوچھ گچھ کے لئے دھرلیا جاتا ہے۔محمد علی کے والد نے اپنے بیٹے کا اتنا پرشکوہ جلوس دیکھ کر اندازہ کرلیا تھا۔یا انہیں یہ کھٹکا لگ گیا تھا کہ اب پولیس عام طور پر ان کے گھر آنے جانے لگے۔اس وجہ سے انہیں پولیس کے رویہ پر شبہ تھا۔یا انہیں یہ کھٹکا لگ گیا تھا کہ کل کلاں جب بڑے بڑے سرمایہ داران کی چوکھٹ پر آنے لگیں گے تو پولیس یہی سمجھے گی کہ وہ کشتی دہشت پسند گروہ کی تشکیل میں لگے ہیں۔

بہر حال جو مارٹن کو اس معاہدہ نہ کئے جانے پر افسوس تھا۔وہ خود بھی پولیس کے رویہ سے شاکی تھا مگر اس کا یہ خیال بھی تھا کہ محمد علی کے والد کو باکسنگ کے بارے میں کوئی علم نہ تھا۔معاہدے کی بات آئی گئی ہوگئی۔جب جو مارٹن نے محمد علی کے والد کے بارے میں کچھ کہنا چاہا۔تب محمد علی نے جو مارٹن سے کہا۔میرے والد ناسمجھ نہیں ہیں۔وہ ایک بالغ و عاقل فرد ہیں۔میں ان کی بات کو ٹال مٹول نہیں سکتا۔انہوں نے میرے لئے بہت کچھ کیا ہے۔بلاشبہ آپ لوگوں نے بھی میرے لئے بہت کچھ کیا ہے۔انہوں نے میرے لئے بہت کچھ کیا ہے۔بلاشبہ آپ لوگوں نے میرے لئے بہت کچھ کیا ہے۔لیکن ابھی مجھے سب کچھ اپنے لئے بھی کرنا ہے۔

اس کے بعد جو مارٹن محمد علی سے علیحدہ ہوگیا۔جو مارٹن نہ صرف محمد علی کا ٹرینی تھا۔بلکہ اس کے مقابلوں کے انعقاد کا منتظم بھی تھا۔علیحدگی کی خبر ایسے پیشہ ور باکسنگ ٹریز تک پہنچی تو انہوں نے محمد علی سے رابطہ کرنے کی سبیلیں نکالیں۔ان میں سے بعض لوگ خود بھی خاصہ معروف طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔جن میں شوگر رے رابنسن کے علاوہ سابق ہیوی ویٹ اولمپک چیمپئن پیٹی راڈی میکر اور آرکی مور کے نام شامل ہیں۔مگر منتظم بننے کی ایک پیش کش ایسے شخص کی طرف سے بھی تھی جو باکسنگ کی ابجد سے بھی ناواقف تھا۔اور بطور باکسر محمد علی سے اسے کوئی خاص دلچسپی بھی نہ تھی۔حالانکہ وہ محمد علی کی قریبی جاننے والوں میں سے تھا۔لیکن وہ بھی محمد علی کے چاہنے والوں میں سرِفہرست تھا۔اس شخص کا نام بل فیبرز ہام تھا۔اس نے یونہی

سنا کہ محمد علی نے جو مارٹن کو منتظمی سے برخاست کر دیا ہے۔ تب اس نے محمد علی کو رات کے کھانے کی دعوت دے ڈالی۔ وہ محمد علی کا منتظم ہی نہ بننا چاہتا تھا بلکہ وہ محمد علی سے ایک باضابطہ معاہدہ بھی کرنا چاہتا تھا۔ کھانے کے بعد محمد علی کو اس نئے معاہدے کی شرائط پڑھ کر سنائی گئیں۔ اب کے رینالڈز کی طرح یہ معاہدہ کسی فرد واحد کی طرف سے نہ تھا بلکہ گیارہ افراد کی طرف سے مشترکہ پیش کش تھی۔

معاہدہ کے مطابق محمد علی کو فوری طور پر ایک لاکھ ڈالر ادا کیا جانا منظور کیا گیا تھا۔ اس میں پہلے دو سال میں ہر سال ۴۸۰۰ ڈالر یا ماہوار دو سو ڈالر اور اگلے چار سال تک چھ ہزار ڈالر ادا کرنے کی شقیں شامل تھیں۔ محمد علی نے یہ معاہدہ منظور کر لیا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے لیے ایک لاکھ ڈالر میں کیڈلک کار خرید لی اور تین ہزار ڈالر ٹیکس ادا کیا۔ جب کہ نصف نصف آمدنی محمد علی اور ان گیارہ افراد پر مشتمل گروپ میں تقسیم کی جانی منظور کی گئی جو باکسنگ مقابلے میں متوقع فرض کی گئی تھی۔ اس معاہدہ کی شق کے مطابق محمد علی کے سفر خرچ اور تربیت پر اٹھنے والے اخراجات اور اس کے ٹرینی کی تنخواہ ان گیارہ افراد کے گروپ (سنڈیکیٹ) نے اپنے ذمہ لے لی جب کہ آمدنی اور تنخواہ میں سے پندرہ فیصد کٹوتی محمد علی کو بطور پنشن دینا منظور کی گئی۔ پنشن کا استحقاق محمد علی کی عمر ۳۵ برس ہونے تک منجمد رکھا گیا۔

اس سنڈیکیٹ میں پانچ افراد کروڑ پتی تھے۔ جبکہ فیبرز ہام، لوئیس ویلی میں قائم ایک بہت بڑی ڈسٹیلریز کارپوریشن کا چیئرمین تھا۔ بہرحال اس سنڈیکیٹ کو لوئیس ویلی سپانسورنگ گروپ کا نام دیا گیا۔ جسکا سربراہ فیبرز ہام کو مقرر کیا گیا تھا۔ اس گروپ میں شامل بعض کروڑ پتی افراد کا تعلق امریکہ کی مشہور عالم براؤن اینڈ ولیم سن ٹوبیکو کمپنی سے تھا۔ ایک دوسرے کو کروڑ پتی فرد کا تعلق براؤن فورمین ڈسٹیلریز سے تھا۔ اس سفید فام کروڑ پتی کے گروپ پر ایک امریکی مزاح نگار نے بڑا بلیغ تبصرہ کیا تھا۔

اس طرح محمد علی کلے ایک سیاہ فام شخص اتھلیٹ کارپوریشن کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ ایک واحد آدمی کے ہاتھ میں گیارہ افراد کی باگ ڈور تھی۔ وہ جس طرح چاہتا ان پر اپنا حکم چلا سکتا تھا۔

اس معاہدہ کے بعد ۱۹۶۰ء میں محمد علی نے پہلا پیشہ وارانہ مقابلہ لڑا تھا۔ جو لوئیس ویلی میں ایک سفید فام باکسر ٹیونی ہنٹ سنگر کے مقابل ہوا تھا۔ یہ شخص اپنے وقت میں مشاہیر باکسروں جیسے جیک کریکن اور لی اپارسن کی صف میں شمار ہوتا تھا۔ آج تک محمد علی کے جتنے مقابلے ہوئے تھے۔ وہ امیچور (شوقیہ) تھے مگر یہ پہلا پروفیشنل مقابل تھا۔

یہ پیشہ وارانہ مقابلہ محمد علی کی اولمپک جیت کے ٹھیک ایک ماہ بعد منعقد ہو رہا تھا۔ یہ بھی کسی باکسر کا اعزاز ہی سمجھا جائے گا جو محمد علی نے ایک مختصر مدت میں حاصل کر لیا تھا۔ مقابلے کرانیوالے افراد پروموٹرز نے اس مقابلہ پر خوب خوب پبلسٹی کی اسے اولمپک گولڈ میڈلسٹ باکسر چیمپئن کے طور پر متعارف کروایا گیا تھا۔ اس بات نے ایسا ہجوم کھینچا کہ لوئیس ویلی میں ہونے والے باکسنگ مقابلوں کا ریکارڈ ٹوٹ گیا۔ مقابلے کے پہلے چھ راؤنڈز نے تماشائیوں کو دم بخود کئے رکھا۔ محمد علی نے مقابلہ کے دوران اولمپک مقابلہ کی پٹی اپنی کمر میں آویزاں کر رکھی تھی۔ جس پر موٹے حروف میں یو ایس اے لکھا ہوا تھا۔ اگرچہ تماشائیوں کو ابتدا میں وہی لطف محسوس ہوا جو انہوں نے پیٹرسن اور مارکیانو کے پہلے پیشہ ورانہ مقابلے دیکھ کر محسوس کیا تھا۔ ان مقابلوں میں آخر الذکر دونوں باکسروں نے اپنے حریفوں کو ناک آؤٹ کر دیا تھا۔ مگر محمد علی نے اپنے ایک سوانح نگار کو بتایا تھا کہ وہ اپنے حریف کو پہلے ہی راؤنڈ میں ناک آؤٹ کر سکتا تھا۔ مگر وہ ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ لوگوں کو اس کا مقابلہ دیکھنے کا پھر موقع ہی کب ملتا تھا۔ کیونکہ وہ تو اس کا پہلا پیشہ وارانہ مقابلہ تھا۔ مگر بل فیبرز ہام محمد علی کی کارکردگی پر شاکی نہ تھا تو وہ اس سے بھی مطمئن نہ تھا۔

اس نے محمد علی کیلئے عارضی طور پر ملازم رکھے گئے ٹرینی پر سب سے زیادہ نقطہ چینی بھی کی وہ اس بات پر حیران تھا کہ جو شخص باکسنگ کے امیچور مقابلوں میں اتنا پھرتیلا تھا۔ وہ پہلے پروفیشنل مقابلہ میں پھسڈی کیونکر ہوسکتا ہے۔

فیبر زہام نے محمد علی کو آرکی مور کے ٹریننگ کیمپ میں بھیجنے کا فیصلہ کرلیا۔ کیونکہ ان دنوں آرکی مور کے جمنیزیم کا بڑا شہرہ تھا۔ مگر سنڈیکیٹ میں شامل ایک دوسرے شخص لیسٹر نے ہام کی بات سے اختلاف کیا اور کہا کہ آرکی مور سے بہتر اور منجھا ہوا باکسنگ ٹرینی تو اینگلو ڈنیڈی ہے جو دو سابقہ چیمپنوں کا استاد بھی رہ چکا ہے۔ لیسٹر کے مشورہ پر ہام نے اپنا فیصلہ بدل لیا اور دوسرے روز اینگلو ڈنیڈی سے ملنے میامی بیچ روانہ ہوگیا۔ اینگلو ڈنیڈی سے اُس نے چھوٹتے ہی پوچھا

کہ اس کے خیال میں وہ محمد علی کے لئے کیا کچھ کرسکتا ہے۔

اینگلو ڈنیڈی نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

میں چھ راؤنڈ کا مقابلہ شروع کراؤں گا اور ظاہر ہے محمد علی چھٹے راؤنڈ تک سب کچھ سیکھ چکا ہوگا۔

اب محمد علی اینگلو ڈنیڈی کے میامی جمنیزیم میں پہنچ چکا تھا۔ اس نے وہاں دو، دو منٹ کے چھ راؤنڈ میں وہ داؤ پیچ سیکھ لئے جیسے ڈنیڈی کے طریق کار سے وہ پہلے ہی آگاہ تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ڈنیڈی محمد علی کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا۔ یہ دو سال پہلے کی بات تھی۔ جب محمد علی اس سے ملا تھا۔ اور یہ بات چیت یوں ہوئی تھی۔

فون کی گھنٹی بجتی ہے۔ ڈنیڈی ریسیور اٹھاتا ہے۔ دوسری طرف سے آواز آتی ہے۔

میرا نام کاسیس مرکولیس کلے جونیئر ہے۔ میں نے گولڈن گلب بھی جیتا ہے۔ میں لوئیس ویلی کا چیمپئن ہوں۔ میں نے اے اے یو ٹائٹل کنا چکی ٹورنا بھی جیت

رکھا ہے۔اب میں آپ سے ملک کر پوچھنا چاہتا ہوں۔

محمد علی بلا توقف بولتا چلا گیا۔ڈنیڈی ریسیور واپس رکھنے سے پہلے اسے جواب دیا۔

کہ وہ جب چاہے اس سے مل سکتا ہے۔پھر جب محمد علی اس سے ملنے آیا تو تو اس کے ساتھ اسکا بھائی بھی تھا۔ان دنوں اس کے بھائی کا نام روڈی تھا۔اب وہ بھی اسلام قبول کر چکا ہے۔اور اس کا اسلامی نام عبدالرحمٰن ہے۔

محمد علی اینگلو ڈنیڈی سے ساڑھے تین گھنٹے تک بات چیت کرتا رہا۔اسے تمام چھوٹے بڑے باکسروں کے بارے میں پوری معلومات تھیں۔اور وہ ان کی ایک ایک جنبش سے آگاہ تھا۔تب اس نے اینگلو ڈنیڈی سے پوچھا کہ وہ اپنے زیر تربیت باکسروں کا کتنا دوڑاتا ہے اور وہ کتنے میل فی گھنٹہ دوڑ سکتے ہیں۔وہ دوڑ کیوں لگاتے ہیں وہ کیا کھاتے ہیں۔کیا وہ دن میں صرف ایک بار ہی کھاتے ہیں۔یا دو بار یا تین بار وہ مقابلہ کی تیاری سے پہلے کس بات کو ترجیح دیتے ہیں۔وہ اپنے گھر میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ کتنا عرصہ گزارتے ہیں؟ محمد علی کے ذہن میں بے شمار سوالات تھے جو اس نے بیک زبان پوچھ ڈالے کیونکہ وہ باکسنگ کی جزئیات وکلیات کی مکمل تفصیل سے آگاہی چاہتا تھا۔یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ باکسنگ کے بارے میں تمام معلومات حاصل کرنے کے لیے پریشان کن حد تک بے قرار تھا۔

وجہ یہ تھی کہ محمد علی باکسنگ کا محنتی طالبعلم تھا وہ اس فن باکسنگ کے عملی وعلمی مطالعہ کرنے میں دن رات لگا رہتا تھا حالانکہ بیشتر باکسر ایسا نہیں کرتے۔محمد علی نے باکسنگ سے متعلق ہر کتاب پڑھ رکھی تھی۔اینگلو ڈنیڈی سے محمد علی کا یہ پہلا تعارف تھا۔جو اب تک قائم ہے۔اس بات کو سولہ برس بیت چکے ہیں یہی تھی کہ محمد علی شروع ہی سے ہر شے کی تہہ تک پہنچنے کا عادی تھا۔اس ابتدائی تعارف کے بعد اینگلو ڈنیڈی کہتا ہے کہ وہ جب کبھی لوئیس ویلی جاتا تو محمد علی اس کے استقبال کے لیے موجود

ہوتا۔ اینگلو ڈنیڈی کو جن عظیم الشان اور شہرت یافتہ باکسروں کی نسبت میں لوئیس ویلی جانا پڑا ان میں رالف ڈیوپس ویلی پاسٹرانولوس روڈری گوئیز اور جوئے میکسم کے نام شامل ہیں۔ اور وہاں محمد علی کے علاوہ ان کی والدہ اور والد سے بھی ملاقات ہوتی۔

محمد علی نے اینگلو ڈنیڈی کی عالی ظرفی اور ژرف نگاہی کا بڑا معترف تھا۔ اینگلو ڈنیڈی بھی محمد علی کی سادگی اور شرافت طبع سے بہت متاثر تھا۔ کیونکہ روز افزوں حاصل ہونے والی شہرت نے اُسے مزید منکسر المزاج بنا دیا تھا۔ اینگلو ڈنیڈی کہتا ہے۔

کہ ایک رات جب لوئیس ویلی میں لوس روڈی گوئیز کا مقابلہ ہو رہا تھا۔ محمد علی بھی مقابلہ دیکھنے آیا ہوا تھا۔ جب وہ مجھ تک پہنچا تو اس نے اپنے ہاتھ میں لوس روڈی گوئیز کا دستانہ پکڑ رکھا تھا۔ میں نے اسے مقابلہ دیکھنے کے لئے داخلہ کے لئے پاس دیا تھا اور ہم وہاں دیر تک دوستانہ ماحول میں بات چیت کرتے رہے تھے۔ بس اس کے بعد میرے دل میں محمد علی کے احترام کے لیے ایک خصوصی گوشہ پیدا ہو گیا تھا۔ پھر جب وہ اولمپکس مقابلوں میں گولڈ میڈل جیت کر آیا تھا۔ تو وہ مجھ سے بھی ملا تھا۔ حالانکہ مجھے اس سے ملنا چاہیے تھا۔ بہر حال اس نے مجھ سے سوال کیا تھا کہ وہ مجھ تک کس طرح رسائی پا سکتا ہے۔ اور اسکے قرب رسائی سے کس طرح سیکھ سکتا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ یہ بہت سادہ سی بات ہے آپ جانتے ہیں کہ باکسنگ کی اتالیقی میرا پیشہ ہے۔ اور میامی بیچ میں میرا جمنیزیم ہے اگر تم ایک باکسر بننا چاہتے ہو تو جب کبھی میامی آؤ تو مجھ سے ملنا نہ بھولئے۔

محمد علی نے اینگلو ڈنیڈی کی یہ باتیں اس کے دل میں اترتی چلی گئیں۔۔ تب اس نے کہا اینگلو تمہاری باتوں میں کشش ضرور ہے کہ جب سے میں نے گولڈ میڈل جیتا ہے ہر شخص میرے پاس آتا ہے وہ مجھ سے معاہدہ کرنا چاہتا ہے۔ مجھے روپے کی

پیش کش کرتا ہے کاروں کا لالچ دیتا ہے۔ مجھے دنیا بھر کی عشرتوں کی ترغیب دیتا ہے۔ اور تم مجھے میامی آنے کی دعوت دیتے ہو یقیناً تم باکسنگ کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہو۔ اور مجھے بھی یہ یقین ہے کہ تمہارے ساتھ کام کر کے بہت کچھ سیکھ جاؤں گا۔

محمد علی کے دل میں اینگلوڈنیڈی کے لیے مخلصانہ جذبات پیدا ہو چکے تھے۔ بعد میں ان تعلقات میں وسعت آ گئی تب محمد علی نے اینگلوڈنیڈی کو بتایا کہ میں تمہیں اس لئے بھی پسند کرتا ہوں کہ تم نیم رنگدار ہو تمہاری رگوں میں بہت سا سیاہ خون دوڑ رہا ہے۔ اگر چہ وہ اٹالین تھا مگر اس نے ایک رنگدار عورت سے شادی کی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس میں بہت سی ایسی عادتیں اور خیالات راسخ ہو چکے تھے جو سیاہ جلد والے لوگوں میں پائے جاتے ہیں میں نے اُسے اپنا رفیق بنالیا۔ کیونکہ وہ مجھ پر حکم نہیں چلاتا تھا وہ مجھے ہدایت دیتا تھا کہ مجھے کب دوڑنا چاہیئے۔ اور کتنی مشق کرنی چاہیئے۔ اس کی رہنمائی میں مجھے بہت کچھ کرنے کی آزادی تھی جو میں کرنا پسند کرتا تھا۔ مجھے ہر جگہ آزادانہ طور پر آنے جانے کی سہولت تھی اور وہ مجھ پر بے وجہ کوئی بات مسلط نہیں کرتا تھا۔ وہ ایک اچھا آدمی ہے اور ہر کوئی اسے پسند کرتا ہے۔

محمد علی نے جب اینگلوڈنیڈی کے ساتھ رفاقت اختیار کی۔ تو جارج فورمین اور اس کے اتالیق ڈک سٹولر نے اس رفاقت پر بڑی تنقید کی اور جارج فورمین نے اینگلوڈنیڈی سے یہاں تک کہہ دیا کہ جب تم محمد علی جیسے تنک مزاج لونڈے سے ملو گے تو تمہیں پتہ چلے گا کہ اس سے ساتھ نبھانا کتنا مشکل ہے۔ مگر اینگلوڈنیڈی نے فورمین کو جواب دیا کہ میں جانتا ہوں محمد علی تیز مزاج نوجوان ہے میں اسے اچھی طرح سمجھتا ہوں۔

فیبر زہام کے ایماء پر اینگلوڈنیڈی کو محمد علی کا ٹرینی مقرر کر دیا گیا۔

اگلے روز اینگلوڈنیڈی محمد علی کو اپنے ساتھ میامی جمنیزیم لے گیا۔ جب وہ محمد علی

کو ساتھ لے کر میامی پہنچے اینگلو نے علی کو ایک ایسے ہوٹل میں ٹھہرایا جو اتنا اچھا نہ تھا۔ اینگلو نے سوچا کہ کے علی کے نزدیک بھی یہ اچھا ہوٹل نہ تھا۔ مگر چونکہ محمد علی ایک عظیم باکسر بننا تھا۔ اس لئے اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ مگر مزید سوچ کر محمد علی کی خدمت کے لئے ایک خدمت گار کو ہمہ وقت اس کی معیت میں دے دیا۔ اور وہ صبح جمنیزیم آنے لگا تب ایک روز محمد علی نے اینگلو سے کہا کہ مجھے پتہ ہے کہ تم مجھے اتنا پسند نہیں کرتے جتنا میں نے ابتدا میں اندازہ کیا تھا؟ کیا میرا یہ کہنا درست نہیں ہے تم نے مجھے ایک ایسے گندے ہوٹل میں ٹھہرایا ہے۔ جہاں صفائی نام کو نہیں اور وہ خدمت گار لڑکا کس قدر گندا ہے کہ جب وہ مجھے کھانا دینے آتا ہے تو میرے لیے اس کے جسم کی بو انتہائی ناگوار ہوتی ہے۔ اینگلو ڈنیڈی محمد علی کی بات پر چُپ رہا اور اس نے خیال کیا کہ ایک مرد میدان جری آدمی کی قوت شامہ دوسرے لوگوں سے یقیناً مختلف ہوتی ہے لیکن اینگلو کو علی کی نفاست پسندی کا گہرا ادراک ہو گیا وہ سوچنے لگا کہ جب محمد علی رنگ میں مقابلہ کے لئے اترے گا اگر اس کا حریف کوئی سفید فام ہے یا سیاہ فام ہے سُرخی مائل ہے۔ ظاہر ہے ان کے اجسام کی بُو باس ایک دوسرے سے مختلف ہو گی اور محمد علی ان سے مقابلہ کے دوران رنگ کے رسوں پر آویزاں تولیے سے ہاتھ صاف کرے گا۔ یا جسم پونچھے گا تو اسے ہر بار ایک اور ہی بو باس کا احساس دامن گیر ہو گا۔ مگر ایک اچھا باکسر وہی ہے جس کے نزدیک سے ہر بو باس خواہ وہ ناگوار ہو یا خوش گوار، جھونکے کی طرح آگے نکل جائے۔

شروع شروع میں نے اس باس کو قوت شامہ کا فتنہ قرار دیا مگر جلد ہی مجھے احساس ہو گیا ہر انسان کی اپنی مخصوص باس ہوتی ہے۔ اس خوشبو کا تعلق طبقاتی زندگی کے ان درجوں سے ہوتا ہے جن میں لوگ اپنی مجلسی اور معیشی زندگی گزارتے ہیں۔ کیونکہ مختلف تمدن کے لوگ مختلف خوراک کھاتے ہیں۔ ان میں سب سے بُری وہ خوراک ہے اور تیز تر وہ بو باس جو اس سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر کسی کو بو باس پر کھنے کا

سلیقہ آجائے تو ایک دن اس پر ایسا آئے گا کہ وہ لوگوں کے جذبات کی بو باس سے ان کی جبلتوں کا پتہ چلا لیا کرے گا۔ اب یہ بات اُس کے ظرف پر منحصر ہے کہ وہ انسانی جبلتوں سے آگاہی کا کوئی غلط فائدہ نہ اُٹھالے۔

محمد علی ایک ایسا شخص تھا جو ہر صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت سے بہرہ ور تھا۔ کیونکہ وہ ایک عظیم باکسر بننا چاہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ایک گندے ہوٹل کے کمرے میں ایک ناگوار بو رکھنے والے خدمتگار کے ساتھ رہتا رہا۔ اور وہ ہر صبح جمنیزیم تک پہنچنے کیلئے پانچ میل پیدل چل کر آتا تھا۔

میں بادشاہ ہوں

محمد علی جمنیزیم میں پہنچتے ہی مشق شروع کر دیتا وہاں اکھاڑے میں موجود ہر باکسر سے مقابلہ کرنا چاہتا وہ طبعا سیماب صفت باکسر ہے مگر اینگلو ڈنیڈی اسے مشورہ دیتا کہ وہ توقف سے کام لے اور مشق جاری رکھے مگر دوسرے روز جب وہ پھر جمنیزیم میں پہنچتا تو چلانے لگتا کہ میں باکسر ہوں جس کسی کی مرضی ہے وہ مجھ سے مقابلہ کے لئے میدان میں آجائے اینگلو ڈنیڈی ہر بار اُس سے کہتا Take it Easy my Kid میں تمہیں جب وقت آئے گا بتا دوں گا تمہیں کس سے مقابلہ کرنا چاہیے۔

محمد علی جمنیزیم کے معمولات کو من وعن طریقہ سے انجام دیتا پہلے دن کوئی مشق دوسرے دن پر نہ ڈالتا حالانکہ عام طور پر نو مشق ایسا نہیں کرتے انہیں کام سکھانے کے لئے گویا زبردستی آمادہ کرنا پڑتا تھا مگر محمد علی کے بارے میں یہ بات نہ تھی اس کا ہر معمول روزمرہ کے مطابق ہوتا وہ کبھی کوئی عذر پیش نہیں کرتا تھا اسے جو کام دیا جاتا جب تک اسے پایہ تکمیل تک نہ پہنچا لیتا دم نہیں لے پاتا تھا یہی بات تھی جس نے محمد علی کو عظیم باکسر بنا دیا ہے دنیا میں ان لوگوں کی عظمت کو سلام ہے۔ جو اپنے کام سے محبت کرتے ہیں۔

اینگلو ڈنیڈی کے نزدیک محمد علی کو جو داؤ پیچ سیکھنے کو کہہ دیا جاتا جب تک وہ اس میں طاق نہ ہو جاتا اسے کسی یاددہانی کی ضرورت نہ ہوت۔ اور نہ بار بار یہ کہنا پڑتا کہ یوں مکہ مارو یوں چپت رسید کرو یہ نہ کرو وہ نہ کرو۔

محمد علی کی پیش گوئیاں اور ان کے حریف

محمد علی باکسنگ میں نئے نئے حربوں اور حیلوں وسیلوں کا خود موجد تھا۔ اور یہی اس کی عظمت تھی۔ یہی بات تھی کہ محمد علی نے اینگلو ڈنیڈی کی کسی ہدایت پر اپنی انا کو

آڑے نہ آنے دیا تھا۔ اینگلو نے اسے حریف پر وار کرنے کا ایک ایسا طریقہ بھی بتایا تھا جس سے دوسرے کو جسمانی طور پر معذور بنائے بغیر چت کیا جا سکے۔ اینگلو کی رہنمائی سے محمد علی نے چار مقابلوں میں حصہ لیا چاروں کو جیت لیا۔ ان کی خصوصیت یہ تھی کہ ان چاروں مقابلوں کے حریف چھٹے راؤنڈ سے آگے نہ نکل سکے تھے کہ ناک آؤٹ ہو گئے۔ جب کہ ایک باکسر ڈونی فلیمن ساتویں راؤنڈ تک لڑا تھا مگر اس کی دونوں آنکھوں کو شدید طور پر زخم آئے تھے۔ بلاشبہ محمد علی نے ان چار حریفوں سے باکسنگ کھیل کر چار نئے طریقے بھی سیکھے تھے۔ ظاہر ہے محمد علی ایک نیا باکسر تھا اور جب ایک نوعمر باکسر کسی تجربہ کار حریف کے ساتھ پیشہ وارانہ مقابلہ کے لئے آتا ہے تو خواہ اس کی جیت ہو یا ہار وہ بہت کچھ سیکھ لیتا ہے۔ باکسنگ عام طور پر پرانے باکسر اپنے حریف پر بیس مختلف طریقوں سے مکے رسید کرنے صلاحیت سے بہرہ ور ہوتے ہیں اور وہ اسے یہ احساس تک نہیں ہونے دیتے کہ ان کا اگلا وار کس انداز سے ہوگا مگر محمد علی جن سے لڑا انہیں پچھاڑ کر ہی رہا۔

پھر اسی سال ۱۹۶۰ء کے ماہ اپریل کی ۱۹ تاریخ کو محمد علی کا مقابلہ لیمر کلارک سے ہوا۔ اینگلو ڈینڈی نے یہ مقابلہ اب کے میامی بیچ کی بجائے محمد علی کے آبائی گاؤں لوئیس ویلی میں منعقد کرانیکا اہتمام کیا تھا۔ لیمر کلارک بہت منجھا ہوا تجربہ کار باکسر تھا۔ محمد علی نے مقابہ سے ایک روز پہلے اخبار نویسوں کو بتایا کہ وہ اپنے حریف کو دوسرے راؤنڈ میں ناک آؤٹ کر دے گا۔

محمد علی کی یہ پہلی پیش گوئی تھی۔ جو حیران کن حد تک سچ ثابت ہوئی لیمر کلارک کا سابقہ ریکارڈ بڑا عہد آفرین تھا وہ اب تک اپنے پنتالیس حریفوں کو ناک آؤٹ کر چکا تھا۔ وہ ایک سفید فام باکسر تھا اور اس کے مکے مارنے کا انداز بھی بڑا جارحانہ تھا۔ جب اس مقابلہ کی خبر اخبارات اور ریڈیو ٹی وی سے نشر ہوئی تو مقابلہ دیکھنے کے لیے انسانوں کا ایک سمندر امڈ آیا۔ مقابلہ شروع ہوا۔ محمد علی نے تین بار اسے کینوس فرش پر

اس طرح گریا کہ موصوف اپنی ناک کٹوا بیٹھے اور دوسرے راؤنڈ میں ناک آؤٹ ہو گئے ۔محمد علی نے جو کہا وہ سچ ثابت ہوا۔اخباری رپورٹر محمد علی کی طرف گولی کی طرح لپکے ہر ایک کی زبان پر یہی سوال تھا۔

یہ آپ نے کیسے کیا جو کہا اسے پورا کر دکھایا

میں نے محسوس کیا کہ اسے ضرور گر جانا چاہیے اور وہ گر گیا

محمد علی کے اس جواب پر اخبار نویسوں کے منہ مارے حیرت کے کھلے کے کھلے رہ گئے

میں نے سوچا کہ وہ اب گرا چاہتا ہے لہذا وہ گر گیا

کیا میں عظیم نہیں ہوں

محمد علی نے متحیر اخبار نویسوں اور تماشائیوں کو حیرت کے سمندر میں ڈال دیا۔

محمد علی کی اس فی البدیہہ گفت گو سے اخبار نویسوں کے ہاتھ ایک لیڈنگ سٹوری لگ گئی اور علی جیسا نوعمر باکسر لوگوں کے لئے کشش کا باعث ٹھہرا اور خود اس کے لئے آئندہ ایک فارمولہ ہاتھ لگ گیا

محمد علی کا کہنا ہے کہ انہوں نے مقابلے سے پہلے پیش گوئی کا سلسلہ اس وقت کے ایک مشہور اور قوی ہیکل باکسر جارجس جارج کو دیکھ کر کرنا شروع کیا تھا۔

میں نے اس سفید فام کی تعلّی کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا اسے زعم تھا کہ وہ سب سے بڑا باکسر ہے۔اور میں اسے پچھاڑ نہیں سکتا۔حالانکہ میں عظیم تر ہوں اور میں اپنے فن کا بادشاہ ہوں۔خیر جب وہ میرے مقابلے کے لیے رنگ میں اترا پندرہ ہزار سفید فام تماشائی میری شکست کے عینی شاہد بنے بیٹھے تھے۔لوگ دیوانہ وار چلا رہے تھے۔مجھے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے ہر شخص پاگل ہو گیا ہے۔پھر لوگوں نے دیکھا کہ وہ ابھی لمحہ بھر جس شخص کی ہمدردی کے لئے دیوانہ وار چیخ رہے تھے میرے آگے مٹی کا ڈھیر بنا پڑا تھا۔

محمد علی کا اگلا مقابلہ امریکی ریاست ہوائی کے رہنے والے دیوقامت باکسر کولو جس کا قد چھ فٹ چھ انچ اور وزن دوسو چھبیس پاؤنڈ تھا۔ جس نے آج تک ۲۷ مقابلوں میں سے پندرہ کو جیت لیا تھا کے ساتھ لاس ویگاس میں ہونا قرار پایا تھا۔ اس مقابلے کے بارے میں جب ایک رپورٹر نے محمد علی سے پوچھا۔

کیا آپ کولو سے فائٹ میں ڈرتے ہیں

جی نہیں میں فلائٹ سے ڈرتا ہوں

محمد علی کو ہوائی جہاز کے سفر سے بڑی نفرت تھی کیونکہ جہاں جانا چاہتا ٹرین کے ذریعے سفر کو ترجیح دیتا تھا۔ اینگلو ڈنیڈی اس کی یہ توجیہہ بیان کرتا ہے کہ مشہور لوگ کسی نہ کسی خوف میں بلاوجہ مبتلا ہو جایا کرتے ہیں۔ بہر حال یہ مقابلہ دس راؤنڈ تک گیا محمد علی اگر مار نہ سکا تو حریف سے مار بھی نہ کھا سکا۔

اس کے بعد محمد علی اپنے گھر لوئیس ویلی آ گیا جہاں اس کا مقابلہ جانسن سے ہوا یہ مقابلہ بھی دس راؤنڈ تک گیا کہ محمد علی نے اسے جیت لیا۔ اس سے اگلا مقابلہ الیکس ٹائف سے طے پایا۔ علی نے کہا کہ وہ ساتویں راؤنڈ تک اسے پچھاڑ دے گا واقعی چھٹے راؤنڈ تک وہ گر پڑا تھا۔ علی نے الیکس کو ایسی مار ماری تھی کہ ریفری کو مقابلہ رکوانا پڑا۔ محمد علی نے فورا کہا کہ میں بادشاہ ہوں میں عظیم تر ہوں۔ مجھے اپنے حریف کو پچھاڑنے سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ جو میرے مقابل آئے گا مار کھائے گا۔ محمد علی دھاڑنے لگا۔

محمد علی کا اگلا مقابلہ ویلی بسمیوف سے طے ہوا۔ ویلی بسمیوف جرمنی کا رہنے والا اور نسلا یہودی تھا۔ اور اس کا بہت چرچا بھی تھا۔ یونہی محمد علی نے اس کے بارے میں سنا تو فورا کہا کہ وہ ساتویں راؤنڈ سے آگے نہ جا سکے گا۔ محمد علی کے ریمارکس پر ویلی تلملا کر رہ گیا اور دانت پیس کر کہنے لگا کہ وہ اس بات کا مزا محمد علی کو کل ہی رنگ میں چکھا دے گا۔ وہ غصے سے دیوانہ ہو رہا تھا۔

مقابلے کی گھنٹی بجی اور وہ محمد علی کی طرف شعلہ بار آنکھوں کے ساتھ آگے بڑھا کہ لوگ سمجھے کہ وہ محمد علی کی ہڈیاں چوچور کر ڈالے گا۔ مگر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ محمد علی اس کے ہر وار سے پہلو بچا کر نکل جاتا اور جب وہ آنکھ گھما کر محمد علی کی طرف دیکھتا تو اس کا چہرہ دستانوں کی اوٹ میں ڈھکا پاتا۔ اس طرح پانچویں راؤنڈ میں ویلی بسمینوف بے حس و حرکت ہو کر رہ گیا۔ مگر شاید محمد علی ساتویں راؤنڈ تک کی اپنی پیش گوئی پوری کرنا چاہتا تھا۔ اور اس نے ساتویں راؤنڈ میں ویلی پر اتنے جارحانہ وار کئے کہ ریفری کو ویلی کے لئے رحم کی درخواست کرنا پڑی اور محمد علی کا ساتویں راؤنڈ میں آخری مکہ ویلی کے جبڑے پر اتنے زور سے پڑا کہ ویلی پیچھے کی طرف ہٹا گرا اور ہمیشہ کے لئے گر پڑا۔ اور وہ اسی طرح ریفری کے دس گننے تک بے سُدھ پڑا رہا۔ اصل میں یہ ایک مضبوط مکے کی ضرب کا کمال تھا اور اس مکے کی نمائش کا اہتمام تھا جو لوگوں نے محمد علی میں دیکھا۔

اس مقابلے کی ایک قابل ذکر خصوصیت یہ تھی کہ تماشائیوں کی طرح محمد علی بھی اپنی قوت کار سے بے حد متاثر ہوا تھا۔ اور وہ سرتاپا ایک چیمپئن معلوم ہوتا تھا۔

اب محمد علی کی شہرت امریکہ بھر میں ایک ناقابل تسخیر باکسنگ چیمپئن کے طور پر پھیل چکی تھی۔ اب اس کی منزل نیویارک تھی۔ اور نیویارک کی وہ مشہور جگہ جس کو میڈے سن سکوائر گارڈن کہتے ہیں وہاں وہ اپنے ہر حریف سے مقابلہ کرنا چاہتا تھا۔

یہ فروری ۱۹۶۲ء کا ذکر ہے۔ حریف تھا سونی بنکیس محمد علی نے کہا کہ وہ چوتھے راؤنڈ میں گر جائے گا۔ لوگ محمد علی کے اس دعوے پر ہنس دیے۔ مگر جب وہ چوتھے راؤنڈ میں گر گیا تب محمد علی نے رنگ کے الخراف میں بیٹھے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کیا میں نے تمہیں پہلے ہی نہ بتا دیا تھا کہ وہ چوتھے راؤنڈ سے آگے جانے کی سکت ہی نہ رکھتا تھا۔

محمد علی کی مسلسل و لگاتار پیش گوئیاں پوری ہو رہی تھیں لوگ اسے ایک باکسر

کے علاوہ ایک جادوگر بھی سمجھنے لگے تھے۔محمد علی تب بھی ایسا تھا جیسا اب ہے وہی چہرہ وہی تیور۔اس بات نے محمد علی کو حیرت انگیز صلاحیتوں کا مالک شخص بنا دیا۔

اس کا اگلا مقابلہ فروری ۶۲ء ہی میں ڈان وگنر سے طے پایا تھا۔محمد علی نے اب کے پھر پیش گوئی کی کہ ڈان وگنر چوتھے راؤنڈ میں گر جائے گا مقابلے میں ایسا ہی ہوا۔اس کے بعد امریکہ ہی کے مختلف شہروں میامی لاس اینجلز اور نیویارک میں محمد علی نے ہر چھوٹے بڑے باکسر جن میں شہرت یافتہ چیمپئن باکسروں کے نام بھی شامل ہیں۔دو دو ہاتھ کئے اور سب کو پچھاڑ دیا۔وہ جیسا کہتا تھا ویسا ہو جاتا تھا۔آرکی مور اور دانیال کے بارے میں محمد علی نے پیشگوئی کی تھی کہ وہ چھٹے اور ساتویں راؤنڈ میں گر جائیں گے۔واقعتاً ایسا ہی ہوا۔آرکی مور بہت مشہور باکسر تھا۔اس کا مقابلہ امریکہ بھر میں کلوز ڈسرکٹ ٹی وی کے ذریعے امریکہ بھر میں دکھایا گیا تھا۔اس کے بعد آرکی مور کو کسی نے نہیں دیکھا کیونکہ بطور باکسر اس کا خاتمہ ہو گیا تھا۔محمد علی نے آرکی مور کے بارے میں ایک نظم بھی کہی تھی جس کا مفہوم یہ تھا کہ

وہ مجھے مسخر کرنا چاہتا ہے
میں اس کا تمسخر اڑانا چاہتا ہوں
وہ مجھے جیتنا چاہتا ہے
میں اسے پنشن پر بھیجنا چاہتا ہوں

آرکی مور کو پچھاڑنے کے بعد فیبر ہام کو محمد علی کے بارے میں وہ ابتدائی رائے بدلنا پڑی جس کی بنیاد محمد علی کا پہلا پیشہ وارانہ مقابلہ تھا نہ صرف فیبر زہام کو بلکہ امریکی تماشائیوں کو بھی اپنی رائے بدلنا پڑی کیونکہ محمد علی کے انداز حرب وضرب نے باکسنگ جیسے غیر دلچسپ اور مردہ کھیل میں جان ڈال دی تھی۔اب ہر کوئی محمد علی کا ذکر کرتا تھا کوئی محفل ایسی نہ تھی جہاں دن رات میں دو چار بار محمد علی کی ذات میں دلچسپی کا اظہار نہ کیا جاتا تھا۔آرکی مور کی شکست اور محمد علی کی جیت نے آج سے بارہ سال

پہلے باب مرفی اور جیک لاموٹا کے مقابلے جیسا ہیجان برپا کر دیا تھا۔ لوگ اب باکسنگ کی بات اس طرح کرتے جس طرح وہ بیس بال اور باسکٹ بال کا ذکر کرتے نہ تھکتے تھے۔

اب کوئی اخبار کوئی رسالہ ایسا نہ تھا جس نے محمد علی پر کالم یا فیچر نہ لکھا ہو۔ ۶۳ آ گیا ۶۳ میں محمد علی کا پٹس برگ کے باکسر چارلی پاول سے مقابلہ ہوا۔ محمد علی نے کہا وہ تیسرے راؤنڈ میں چارلی پاول کو چت کر دے گا۔ وہ چت ہو گیا۔ اس کے بعد یہ تذکرہ ہونے لگا کہ محمد علی کا آئندہ مقابلہ شہرہ آفاق ہیوی ویٹ چیمپئن سونی لسٹن سے ہوگا۔ یہ تذکرہ جاری تھا۔ کہ اینگلو ڈنیڈی اور فیبر ہام محمد علی کو نیویارک لے آئے نیویارک کا لائٹ ہیوی ویٹ چیمپئن ڈاگ جون ہیوی ویٹ چیمپئن شپ کا دعویدار تھا۔ مارچ ۱۹۶۳ء میں اس کے ساتھ محمد علی کے مقابلہ کی تاریخ طے پا گئی۔ اگرچہ ان دنوں نیویارک کے تمام اخبارات ۹۵ دنوں سے ہڑتال پر تھے ریڈیو اور ٹی وی پر اشتہارات کا وقت کم کر دیا گیا تھا۔ مگر اسکے باوجود مقابلے کا کانوں کان سارے نیویارک میں چرچا تھا لوگ دور و نزدیک سے اس مقابلہ کو دیکھنے کا اشتیاق رکھتے تھے۔ یہ مقابلہ میڈے سن سکوئر گارڈن میں ہونا تھا جس میں بیس ہزار تماشائیوں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی مگر ہفتہ بھر پہلے ہی تمام نشستیں بک ہو چکی تھیں۔ شہرہ آفاق لوگ اور با اثر امراء ٹکٹوں کی بھیک مانگنے پر مجبور تھے۔ محمد علی کو ذاتی طور پر ایسے لوگوں کے فون آئے تھے کہ وہ ان کے لئے ایک یا دو نشستوں کا انتظام کر دے۔ ایک روز شہرہ آفاق نمبر ا گویا ناٹ کنگ کولی کا محمد علی کو فون آیا کہ وہ اس کے لئے ایک ٹکٹ خریدنے کا انتظام کر دے۔ محمد علی نے جواباً کہا کہ یہ عظیم سنگر کا عظیم باکسر کے نام پہلا فون ہے۔ مگر باکسنگ شو پرو موٹر کے پاس ایک بھی نشست نہ تھی تاہم محمد علی کے ایما پر ان کے لئے عارضی نشستوں کا انتظام کرا دیا گیا تھا۔ بہر حال اس مقابلہ کو دیکھنے کے لئے بچے بھی آئے تھے۔

محمد علی نے جب یہ دیکھا کہ کچھ بچے اس کے آٹو گراف لینا چاہتے ہیں تو اس نے بچوں کو اپنے قریب آنے کی اجازت دلوادی۔ محمد علی نے ڈاگ جون کے بارے میں ایک نظم میں یہ پیش گوئی کی کہ وہ چھٹے یا پانچویں راؤنڈ میں گر جائے گا۔ سکوئر گارڈن میں ہجوم اتنا تھا کہتے ہیں کہ کوے اور کبوتر اپنے گھونسلے چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ مقابلہ شروع ہوا چوتھے راؤنڈ تک محمد علی دبا رہا ایسا لگتا تھا کہ اب کے بار اس کی پیش گوئی پوری نہ ہوگی۔ کیونکہ آٹھویں راؤنڈ تک یہی صورت رہی۔ تب نویں اور دسویں راؤنڈ میں محمد علی شیر کی سی قوت سے وار کرنے لگا جیت ہار کا واضح فیصلہ ججوں کے سپرد تھا۔ کیونکہ معاملہ پوائنٹس پر تھا اعلان ہوا کہ محمد علی کو پانچ پوائنٹ اور ڈاگ جون کو چار۔ مگر دسواں باقی بچا در حقیقت یہ مقابلہ محمد علی نے ایک پوائنٹ پر جیت لیا تھا۔ جیسا کہ تماشائیوں نے بھی محمد علی کو فاتح قرار دے کر اس کے حق میں نعرے لگائے تھے۔

اس کے بعد محمد علی انگلینڈ آگیا تا کہ یورپی چیمپئن ہنری کوپر سے مقابلہ کیا جاسکے۔ ہنری کوپر کی عمر انتیس برس تھی۔ اسے خونخوار بھیڑیے کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اور اس کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا تھا کہ اس سے جو کوئی بھی آنکھ ملاتا بصارت کھو بیٹھتا ہے۔ اور یہ بھی مشہور تھا کہ وہ صرف پہلے راؤنڈ میں ایک ہی مکہ مار کر مقابلہ جیت لیتا ہے۔

محمد علی کے برطانیہ پہنچنے سے پہلے اس کا نام لندن پہنچ چکا تھا۔ محمد علی نے ائر پورٹ پر اترتے ہی کہا کہ وہ ہنری کوپر سے مقابلہ کو ثانوی حیثیت دیتا ہے اصل میں وہ بدشکل ریچھ سونی لسٹن سے مقابلہ سے پہلے تفریح طبع اور وقت گزاری کے لیے لندن آیا ہے۔ اسے یہ معلوم ہے کہ ہنری کوپر کو بیکنگم پیلس کس قدر اہمیت دیتا ہے۔ میں حلفیہ کہتا ہوں کہ اسے پانچویں راؤنڈ میں پچھاڑ دوں گا۔

تب ایک رپورٹر نے محمد علی کی اس پیش گوئی کی طرف اس کی توجہ مبذول کرائی

کہ تم نے تو یہ کہا تھا کہ شاید تم کوپر کو پہلے یا دوسرے راؤنڈ سے آگے نہ جانے دو گے؟

جی ہاں! میں چاہتا ہوں کہ میرے پرستار کچھ وقت کے لیے تو میرے فن کا کمال دیکھ سکیں۔محمد علی نے فی البدیہہ جواب دیا۔

مزید کہا۔کہ اگر ہنری کوپر اپنے آپ کو گورڈن کوپر سمجھتا ہے تو پھر میں اُسے مکہ مار کر کسی سیارے میں پہنچا دوں گا۔

یہ مقابلہ جون ۶۳ء میں ہوا تھا۔اس مقابلے کے وقت محمد علی اب تک ۱۹ مقابلے جیت چکا تھا۔جب وہ رنگ میں اترا تو اس نے اپنے وارڈروب پر عظیم تر کا سیس لکھا ہوا تھا۔پہلے راؤنڈ کی گھنٹی بجی،ہنری کوپر ابتداء میں پریشان دکھائی دے رہا تھا۔مگر اس نے پہلے ہی راؤنڈ میں محمد علی کو ہر رُخ سے پرکھنے کی کوشش کی۔اس انداز ضرب پر تماشائی کھڑے ہو کر ہنری کوپر کو داد دینے لگے۔دوسرے راؤنڈ میں محمد علی نے اپنے مخصوص انداز سے کوپر پر حملہ کیا چوتھے راؤنڈ میں محمد علی نے پھر اسی انداز سے وار کیا۔کہ کوپر کا چہرہ خون سے نہا گیا۔اب وہی داد دینے والے تماشائی ریفری سے کھیل روک دینے کی التماس کرنے لگے۔ہر شخص چیخ چلا رہا تھا۔ان میں مشہور ایکٹریس ایلزبتھ ٹیلر اور مشہور اداکار رچرڈ برٹن بھی شامل تھے۔کھیل روک دیا گیا کیونکہ اسے محمد علی نے جیت لیا تھا۔اگر یہ مقابلہ روک نہ دیا جاتا تو کوپر کی لاش ہی رنگ سے لے جانا پڑتی۔کوپر نے مقابلے کے بعد ہار نہ مانی بلکہ اس کی توجیہہ پیش کی کہ اگر اس کی دونوں آنکھیں خون بہنے کی وجہ سے بند نہ ہو جاتیں تو محمد علی کو دریائے ٹیمز میں پھینک دیتا۔

محمد علی کے ایک حریف کا نام کیوبری ہے۔اس کے ساتھ مقابلہ اٹلانٹا میں ۲۵ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو ہوا تھا۔یہ مقابلہ محمد علی نے جیت لیا تھا۔اس مقابلے کے بعد امریکی اخباروں نے محمد علی کی شخصیت کو یوں خراج تحسین پیش کیا تھا۔

کہ اگر آپ نے اپنی زندگی میں کچھ دیکھنا ہے تو محمد علی کو دیکھ لیجئے جس کہ تنہا

ذات ایک پورا ادارہ ہے۔ کیوری جب لہولہان ہو گیا اس کے چہرے سے خون کی دھاریں اس کے سینے پر یوں بہہ رہی تھیں جیسے اس پر کسی نے پانی کی بالٹی انڈیل دی ہو اور وہ بری طرح ہانپ رہا تھا اس کی ٹانگیں کپ کپا رہی تھیں۔ ابھی چند راؤنڈ باقی تھے۔ مگر اس میں سکت باقی نہ رہی تھی۔ مقابلے کے خاتمہ کی گھنٹی بج گئی۔ کیوری نے احتجاج شروع کر دیا۔ مگر اس کے مینجر نے کیوری کے احتجاج سے اتفاق نہ کیا اور کہا کہ محمد علی جیت چکا ہے تب کیوری کی آنکھوں سے دم جاتا رہا۔ پھر اس نے محمد علی کی کامیابی پر یوں تبصرہ کیا۔

کہ اگر کسی مسلمان کو اللہ کی موجودگی اور رفاقت پر کوئی شک ہے تو ایک کافر کے لئے اللہ پر ایمان لانے کا یہی وقت ہے بلا شبہ آج اللہ محمد علی کے ساتھ ہے۔

ان دنوں ارجنٹائنا کے باکسر آسکر بونا دینا کا بڑا شہرہ تھا۔ وہ نہ صرف ایک سخت جان چیمپئن تھا۔ اس کی تعریف صرف وہ دو انگریزی گالیاں تھیں۔ جو اپنے حریف کو مسلسل دیتا رہتا تھا۔ محمد علی کے ساتھ اس کا مقابلہ ۱۹۷۰ء میں نیو یارک میں ہوا تھا۔ مقابلہ دیکھنے والوں میں اکثریت اخباری نمائندوں، ریڈیو اور ٹی وی کیمرہ مینوں اور رپورٹروں کی تھی۔ ارجنٹائنا سے کثیر تعداد میں لوگ یہ مقابلہ دیکھنے نیو یارک آئے تھے۔ دونوں باکسروں کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ایک دوسرے کی تکا بوٹی اڑا دیں گے۔ مقابلہ دیکھنے والے مبہوت بیٹھے تھے ہر طرف سکوت مرگ طاری تھا۔ پہلے ہی راؤنڈ میں محمد علی نے مکہ رسید کیا تو آسکر بانا دینا کونے میں جا لگا۔ یہ وہی آسکر تھا جس کے بارے میں پریس یہ پیش گوئی کر چکا تھا کہ فتح کا پروانہ اس کی جیب میں پڑا ہے۔ مقابلہ تیرھویں راؤنڈ تک خوفناک صورت اختیار کر چکا تھا۔ محمد علی نے اسی راؤنڈ میں آسکر کو ایسا مارا کہ وہ نیچے گر پڑا اور وہ اٹھ نہ سکا۔ ججوں نے آسکر کو ٹیکنیکل ناک آؤٹ قرار دے دیا۔ محمد علی نے جیتنے کی خوشی میں اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔ سفید فام تماشائیوں کے منہ لٹک گئے اس مقابلہ کو دیکھنے میں سفید اور سیاہ

فام باشندوں کی بھاری تعداد آئی تھی۔ حقیقتا اس مقابلہ کو سیاہ اور سفید فاموں کی جنگ قرار دیا گیا تھا۔ کالے جیت گئے گورے ہار گئے۔

سونی لسٹن کے ساتھ جب مقابلہ کی خبر چھپی تو یہ گویا پوری دنیا میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی تھی۔ اس مقابلہ میں لوگ بہر صورت محمد علی کی شکست کو دیکھنے آئے تھے۔ کیونکہ انہیں سونی لسٹن کی فتح کا سو فیصد یقین تھا۔ اس مقابلہ کو اس لئے بھی اہم قرار دیا جا رہا تھا۔ کیونکہ اس سے ۱۸۰ لاکھ ڈالر آمدنی متوقع تھی۔ اور باکسنگ کی تاریخ میں یہ ریکارڈ توڑ آمدنی تھی محمد علی نے پیش گوئی کی تھی کہ وہ سونی لسٹن کو چھٹے راؤنڈ میں شکست دے گا۔ اور چھٹے راؤنڈ میں سونی لسٹن کا چہرہ خون میں ہو چکا تھا۔ محمد علی اپنا کام دکھا چکا تھا۔ جو کوئی دوسرا بس نہ کر سکتا تھا۔ سونی لسٹن کی آنکھوں سے مایوسی پھوٹ رہی تھی۔ ساتویں راؤنڈ میں محمد علی کی جیت کا فیصلہ ہو گیا۔ محمد علی چلایا۔

کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ میں ہی چیمپئن ہوں۔

جب سونی لسٹن سے اس کا ہیوی ویٹ چیمپئن اعزاز چھن جانے کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے کہا۔

کہ یہ اعزاز چھن جانے سے اس نے ایسا محسوس کیا ہے جیسے صدر امریکہ کو گولی مار دی گئی۔ اس کے بعد اس نے اپنے مداحوں اور تمام تماشائیوں کا شکریہ ادا کیا اور رنگ سے نیچے اتر گیا۔

جب محمد علی سے کامیابی کے بارے میں پوچھا گیا تو اُس نے کہا

مجھے سونی لسٹن سے ہمدردی ہے۔ مجھے افسوس تم لوگوں پر کہ تم نے ایک آدمی پر اتنا زیادہ بوجھ لاد دیا تھا کہ وہ اپنی چال برقرار نہ رکھ سکا۔ اور تم نے اسے بڑا بنا رکھا تھا۔ اور اسے آسمان پر چڑھا رکھا تھا اب وہ بیچارہ ہمیشہ کے لیے نیچے اتر گیا ہے۔

اور اسی امریکی پریس نے محمد علی کو یوں خراج تحسین پیش کیا

کہ اس نے ایک بچے سے بڑے کا کام لیا اور اس بچے نے ایک کارنامہ کر دکھایا ہے واضح رہے کہ سونی لسٹن کو ہرانے کے بعد محمد علی کی شہرت ساری دنیا میں پھیلی تھی ایک ہی عشرہ میں دو بار عالمی ہیوی ویٹ چیمپئن کا اعزاز برقرار رکھنا محمد علی کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔اس کو امریکی تاریخ میں بہت بڑا واقعہ قرار دیا گیا ہے کیونکہ آج تک کوئی چیمپئن ایک طویل مدت تک چیمپئن شپ کے اعزاز کو برقرار نہیں رکھ سکا۔

۷ مارچ ۱۹۷۱ء میں جوفریزر کے ساتھ محمد علی کا مقابلہ طے پا گیا، جوفریزر کو ناقابل تسخیر چمپئین سمجھا جاتا ہے۔وہ ایسا چمپئین تھا جس کا انداز ضرب جدا، جس کا درجہ کسی سے نہ ملتا تھا۔وہ ایسا ہیوی ویٹ چمپئین تھا۔جس نے اب تک ۲۶ مقابلوں میں اپنے حریف کو ۲۳ مقابلوں میں ناک آوٹ کر دیا تھا، اس کا باکسنگ سکور بڑا پر شکوہ تھا محمد علی اور جوفریزر کے مقابلے کو اس صدی کا سب سے بڑا مقابلہ قرار دیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ جو ناقابل تسخیر تھا۔یہ مقابلہ پندرھویں راؤنڈ تک گیا۔محمد علی نے جوفریزر کا شیر کی سی بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا۔وہ گرتا معاً اٹھ کھڑا ہوتا۔تا کہ سپورٹ ہسٹری میں اسے بزدل نہ لکھا جا سکے۔مقابلہ ختم ہو گیا ججوں نے فیصلہ سنا دیا۔ریفری سمیت اب کے سب ووٹ محمد علی کے خلاف تھے، کیونکہ جوفریزر جیت گیا تھا۔

محمد علی کا جوفریزر کے ساتھ اگلا مقابلہ مینیلا (فلپائن) میں ۱۹۷۵ء کو ہوا تھا۔جسے محمد علی نے جیت لیا تھا، چونکہ اس مقابلہ کی شہرت بہت زیادہ تھی۔اس کی متعدد وجوہ ہیں۔ایک وجہ تو یہ ہے کہ اب محمد علی کا تعارف ایک باکسر چمپئین سے زیادہ ایک مبلغ اسلام ہونے کے ساتھ ساتھ سیاہ فام امریکیوں کے حقوق کی علم برداری سے بھی تھا، وہ خود سیاہ فام ہونے کے باوجود سفید فاموں کی بے انصافیوں اور غیر مساویانہ رویہ کے خلاف وہ تمام باتیں فاش و برملا کرنے لگا ہے، جو اس کے

ہم نسل وہم وطن سیاہ فام زبان پر بھی نہیں لا سکتے،

وہ دنیا کا کروڑ پتی شخص ہے۔اس کی پیشین گوئیاں حرف بحرف سچ ثابت ہوتی ہیں۔اس نے ویت نام کی جنگ میں امریکہ کی طرف سے شرکت پر برملا انکار کیا۔ساڑھے تین برس تک وہ باکسنگ سے جبری طور پر معطل بھی رہا تھا۔اسے امریکہ کا ایک ذہین بلکہ نابغہ روزگار شخصیت سمجھا جاتا تھا۔وہ قادرالکلام شعراء کی طرح شعر کہتا ہے۔وہ بہت بڑا طنز گو ہے،اس کی باتوں میں مزاح کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے۔وہ بہت اچھا گویا ہے،امریکہ کے مشہور گلوکار اور پاپ میوزک کے پرستار اور گوئیے ناٹ کنگ کولی اور جیمز براؤن کیگانوں کی ٹکر کے گیت گا سکتا ہے۔شکاگو میں اس کا ایک بہت بڑا محل نما مکان ہے۔پنسلوانیا میں ایک عظیم الشان جمیزیم ہے۔مشی گن میں ۸۰ ایکڑ رقبے پر مشتمل زرعی فارم ہے،کلیو لینڈ میں 350,000 ملین ڈالر مالیت کا ڈیپارٹمنٹل سٹور ہے۔اس نے اپنی دولت کو غربا کی بہبودی کے لئے وقف کر رکھا ہے۔وہ اپنے ہم نسل لوگوں کی ہر طرح مدد کرتا ہے۔وہ اپنے حریفوں کا کوئی نہ کوئی ''عرف عام'' ضرور مشہور کر دیتا ہے۔جس طرح اس نے سونی لسٹن کو بہت بھدا ریچھ کہا تھا۔جو فریزر کو گوریلا ان مینیلا'' کہا تھا۔اکتوبر 1975ء کے مقابلہ میں اس نے سپورٹس ہسٹری کا سب سے بڑا معاوضہ لیا تھا۔

جو ۴۵ ملین ڈالر تھا۔جب کہ جو فریزر کو دو ملین ڈالے ملے تھے،محمد علی کے کسی حریف کو اب تک ملنے والے معاوضوں کی شرح سے یہ سب سے زیادہ شرح معاوضہ تھی،اگر چہ محمد علی نے ہربرٹ محمد سے ایک معاہدہ کر رکھا تھا۔(اس کی تفصیل گزشتہ ابواب میں آ چکی ہے)محمد علی کے مقابلوں سے ہربرٹ محمد گروپ اب تک کروڑوں ڈالرز کما چکا ہے۔اس گروپ نے جب محمد علی نے اسلام قبول کر لیا تھا تو اسلام کو ترک کر دینے کے لئے کڑا دباؤ ڈالا تھا۔مگر محمد علی نیا سلام سے وابستگی کو تا

مرگ جاری رکھنے کا اعلان کیا تھا۔حالانکہ یہ گروپ کروڑ پتی لوگوں پر مشتمل ہے۔اور بہت اثر ورسوخ کا مالک ہے۔محم دعلی نے اس گروپ کی باتوں کو پرکاہ کے برابر اہمیت نہیں دی۔

محمد علی نے اپنی پہلی بیوی سونجا رائے کو اسلامی انداز سے پردہ نہ کرنے کی بنا پر طلاق دے دی تھی۔محمد علی دنیا بھر میں بہت زیادہ باتیں کرنے والا شخص مشہور ہے۔مگر وہ اپنی موجودہ بیوی بلینڈا بائڈ جس سے ان کے چار بچے تین لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے، کے آگے اف بھی نہیں کرتا ہے۔زائرے میں بلینڈا نے اپنی ایک عم زاد بہن برونیکا کی موجودگی پر سخت اعتراض کیا تھا۔اور محمد علی کا منہ نوچ لیا تھا۔مگر اس عظیم مکہ باز نے اس کمزور خلق یعنی بیوی پر ہاتھ نہیں اٹھایا تھا۔برونیکا ان دنوں ہر مقابلے میں جہاں وہ منعقد ہو محمد علی کے ساتھ جاتی ہے۔امریکی اخبارات اس کے بارے میں بے پر کی اڑاتے رہتے ہیں۔مگر محمد علی نے کبھی ان باتوں کا نوٹس نہیں لیا۔(مزید تفصیل گزشتہ ابواب میں آچکی ہے۔)

محمد علی پر کئی مشہور مصنفوں نے کتابیں لکھی ہیں۔جن میں جوسی ٹارسن اور بڈ شیل برگ شامل ہیں۔جو محمد علی کی ہر بات کا ریکارڈ رکھتے رہے ہیں۔مگر محمد علی جس نے اپنی سوانح عمری، جسے اس نے خود لکھا ہے۔کے حقوق اشاعت ایک اور شخص جو مصنف سے زیادہ ایک ناشر کے طور پر مشہور رہے، رچرڈ ہام کو دیتے ہیں۔

یوں تو محمد علی کے مقابلوں کے انعقاد کرنے والے بے شمار لوگ ہیں، مگر ڈون کنگ جیسا شوپر موٹر اس سے قبل سامنے نہیں آیا تھا۔واضع رہے ڈون کنگ خود ایک مشہور شخصیت کا مالک ہے۔(اس کی تفصیل بھی گزشتہ ابواب میں آچکی ہے۔)

بہر حال یہ اور اس نوع کی بے شمار باتیں اور وجوہ تھیں، جس کی وجہ سے جوفریزئر کے ساتھ محمد علی کے مقابلے کو خاص اہمیت حاصل تھی۔

محمد علی نے بھی اسے بہت بڑا مقابلہ قرار دیا تھا اور کہا تھا،

''کہ اللہ تعالیٰ ایک مومن کو آزمائش میں ڈالتا رہتا ہے۔''

واقعی اللہ تعالیٰ نے محمد علی کو ایک آزمائش میں پورا اتارا تھا۔اور محمد علی نے جو فرنزر کے ساتھ منیلا میں ہونے والا مقابلہ جیت لیا تھا۔منیلا میں محمد علی نے پہنچتے ہی بہت شہرت حاصل کر لی تھی۔فلپائن کے صدر فرڈیننڈ مارکوس نے محمد علی کو مہمان رکھا تھا۔اس مقابلہ کی رپورٹنگ کے لئے شہرہ آفاق مصنف اور ناشر بھی وہاں گئے تھے۔ان میں رچرڈ ورہام۔نارمن میلر،ولفریڈ شیڈ،رابرٹ لپسٹے۔اور پیٹر بون ونٹر،یہ سب لوگ یا تو محمد علی پر لکھی جانے والی کتابوں کے مصنف ہیں۔یا محمد علی پر لکھی جانے والی کتابوں کے ناشر اور باکسنگ کے فن پر اتھارٹی (حرف آخر) کا درجہ رکھتے ہیں۔

شو پر موٹر ڈون کنگ اس مقابلے کے انعقاد کے لئے منصرم تھے،جن کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے۔اگر محمد علی نے باکسنگ کو زندگی عطا کی ہے،تو ڈون کنگ نے مقابلوں کے انعقاد کا اہتمام کرا کے آمدنی کے سابقہ گوشواروں کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا ہے۔ڈون کنگ مقابلے کی اجازت کا اہتمام مختلف ممالک کی حکومتوں سے مل کر کراتا ہے۔جب کہ ان سے پہلے کسی شو پر موٹر کو اتنی جرات نہیں ہوتی تھی،ڈون کنگ کا دفتر راک فیلر سنٹر میں واقع ہے۔محمد علی اور ڈون کنگ نیا باکسنگ کو تفریح کا ایک ذریعہ بنا دیا ہے۔کہ تاریخ میں اس کا تصور نہیں ملتا۔

عالی جاہ محمد کون تھے

فروری ۱۹۶۴ء میں محمد علی نے اسلام قبول کیا تھا، ''میں مذہب اسلام پر ایمان لے آیا ہوں، اور میں اس عہد پر ایمان لاتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے''

''یہ وہی مذہب اسلام ہے، جس پر لاکھوں کروڑوں افراد افریقہ و ایشیا میں عمل کرتے ہیں۔'' بے شک میں ہزار بار ناک ڈون کر دیا جاؤں، مگر میرا سر اللہ کے سوا کسی کے آگے نہیں جھک سکتا''

محمد علی عالی جاہ محمد کے عقیدہ توحید سے متاثر ہیں۔ ان کو ایک مصلح اخلاق رہنما سمجھتے ہیں۔ اب ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے ویلس دی محمد کو ان کا روحانی جانشین سمجھتے ہیں۔ محمد علی کی جو کتاب مائی اون سٹوری کے نام سے چھپی ہے، اس کے ناشر ویلس ڈی محمد ہیں۔ وہ امریکہ میں سیاہ فام مسلم تحریک کے روح رواں ہیں، اور محمد علی کے منیجر بھی ہیں۔ اس تحریک کا عقیدہ اسلام وہی ہے، جو ایشیا، مشرق وسطیٰ اور عرب ممالک کے مسلمانوں کا ہے۔ یہ تحریک فکری طور پر سیاہ فام لوگوں کے حق حکمرانی کی علم بردار ہے۔

اس تحریک کی بنیاد ریاست مشی گن کے شہر ڈیٹرائٹ میں ۱۹۳۰ء میں ایک شخص جس کا نام ولی فرید تھا، نے رکھی۔ ولی فرید ایک خدا رسیدہ انسان تھے، بہت سے سیاہ فام لوگوں نے ان کے عقیدہ و عمل کو دیکھ کر اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کے معتقدین کا کہنا ہے کہ وہ مکہ سے امریکہ آئے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس طرف جانے کی بشارت دی تھی، کہ وہ وہاں وحدانیت کی تبلیغ کریں۔ ولی فرید نے اپنے ہم مسلک لوگوں کو ایک سلک میں پرو دیا تھا۔ ان کی تنظیم کو ایک تحریک کی صورت میں آگے بڑھنے میں رہنمائی کی تھی، انھوں ن یوہاں مساجد کی تعمیر بھی کرائی تھی، کہتے ہیں کہ وہ رشد و ہدایت کے علاوہ سیاہ فام لوگوں کو ان کے غصب حقوق کی بازیابی کے لئے تیار کیا کرتے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ صرف چار سال کے بعد ۱۹۳۴ء میں یک بیک غائب ہو گئے ، یہ پتا نہیں چلا، کہ وہ کہاں گئے، آج تک یہ سراغ نہیں ملا، کہیں انہیں ٹھکانے تو نہیں لگوا دیا گیا۔ بہر حال اس رخ پر کسی نے تحقیقات نہیں کی ۔

اب تک محمد علی کی زندگی پر سب سے زیادہ جو قیمتی کتاب چھپی ہے۔ اس کا نام دی ہارڈ ردے فال ہے ۔ اس کے مصنف کا نام ویلفر ڈشیڈ ہے، جسے سب سے زیادہ جامع خیال تصور کیا جاتا ہے، مگر اس کے مصنف نے متذکرہ رخ پر سرے سے کچھ نہیں لکھا، اس کتاب کی قیمت بیس ڈالر ہے۔

بہر حال جناب ولی فرید کے غائب ہو جانے کے بعد بلیک مسلم تحریک کی قیادت جناب عالی جاہ محمد نے سنبھال لی تھی ۔ ان دنوں اس تحریک کے رہنما جناب ویلس ڈی محمد ہیں۔ اس تحریک کے زیر اثر اب تک ۵۰۰،۰۰۰ سیاہ فام اسلام قبول کر چکے ہیں، یا اس تحریک کے حمایتی رکن بن چکے ہیں۔

محمد علی کا آخری فیصلہ اور آخری مقابلہ

''میں محسوس کر رہا ہوں کہ اگر میں نے باکسنگ ترک نہ کی تو میں ہارنا شروع ہو جاؤں گا، مگر یوں معلوم ہوتا ہے کہ محمد علی اپنی ریٹائرمنٹ سے پہلے دنیا بھر میں مبارزت طلب حریفوں سے دو دو ہاتھ کرنا چاہتے ہیں۔ جب سے انہوں نے باکسنگ سے ریٹائر ہونے کا اعلان کیا ہے، اسی تواتر سے نئے اور پرانے حریفوں کے ساتھ ایک، ایک مقابلہ کرنے کی خبریں بھیدم بدم آ رہی ہیں۔ ان کا ایک مقابلہ جاپانی باکسر انٹو ینوانوکی کے ساتھ ۲۵ جون کو ٹوکیو میں ہو رہا ہے۔ اب کے شو پر و موٹر لاس آنجلز کے ایک تاجر ران ہوفر ہیں، محمد علی کو اکسٹھ لاکھ ڈالر، جب کہ انٹو ینو انوکی کو بیس لاکھ ڈالر معاوضہ ملے گا۔ محمد علی کے لئے یہ پہلا موقع ہے کہ وہ صرف اونی دستانے پہن کر لڑیں گے، اور باکسنگ کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ کوئی حریف لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں،، کی پوری تصویر بن کر رنگ میں نمودار ہو گا۔

انٹو ینوانوکی بنیادی طور پر جوڈو فائٹر ہے، باکسر نہیں ہے۔ محمد علی کے ساتھ مقابلہ میں اسے بے شمار دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اگر چہ وہ کہہ رہا ہے،

''کہ میں محمد علی کے ہاتھ توڑ دوں گا''

''محمد علی کا کہنا ہے کہ یہ مقابلہ اصل میں زندگی اور موت کا مقابلہ ہے۔''

محمد علی کا آج تک دنیا کے عظیم ترین اتھلیٹ کے طور پر تعارف رہا ہے، مگر جب سے ان کی ایک کتاب محمد علی میری اپنی کہانی منظر عام پر آئی ہے، انگریزی کتابوں کی دنیا میں یہ سب سے زیادہ بکنے والی کتاب قرار پائی ہے۔ بات کسی بھی طرح ہو، عظمت محمد علی کے آگے پیچھے سرگرداں رہتی ہے،

وہ مارچ ۷۶ء کے دوسرے ہفتے میں لندن گئے تھے، ان کا یہ دورہ بظاہر ان کی متذکرہ کتاب کی رونمائی کے سلسلہ میں تھا، تاہم انہوں نے کہا ہے۔

''کہ میں اس سال کے آخر میں ریٹائر ہو جاؤں گا۔اور اس کے بعد امریکہ یا دنیا میں کسی بھی جگہ جا کر اسلام کی تبلیغ کروں گا،

انہوں نے اپنی لندن آمد پر حسب سابق بڑی پر مزاح اور معنی خیز باتیں کہی تھیں۔

''میں اب نہ صرف باکسنگ سے تھک گیا ہوں، بلکہ اس بستر سے بھی، جس میں پڑے پڑے اپنی وہ کتاب پڑھنے کی کوشش ناتمام کرتا رہتا ہوں، جس کا نام سب جانتے ہیں ''عظیم تر محمد علی ہے'' آپ جانتے ہیں کہ مجھے لکھنے پڑھنے سے کوئی خاص تعلق نہیں رہا، یہی وجہ ہے کہ مجھے انگریزی پڑھنے میں خاصی دشواری محسوس ہوتی رہی ہے،مگر جب سے میں نے برطانوی چمپئین جو بگز کو کوالالمپور میں پچھاڑا ہے۔تب سے مجھے اچھی خاصی انگریزی پڑھنی آ گئی ہے۔محمد علی نے مسکراتے ہوئے کہا،

جب ان سے پوچھا گیا کہ وہ ریٹائرمنٹ کے بعد کیا کریں گے؟

تب انہوں نے جواب دیا جو ایک چمپئین کو کرنا چاہیئے۔مگر میں ایک بات مختلف کروں گا، جیسا کہ میں ابھی کہہ چکا ہوں،تبلیغ اسلام میرا مقصد زندگی ہے، اس کے علاوہ میرے پاس دنیا بھر کی ۸۴ تنظیموں اور علمی مجالس کے دعوت نامے موجود ہیں۔جہاں مجھے تقاریر کرنی ہیں، آکسفورڈ یونیورسٹی نے مجھے پروفیسری کی پیش کش بھی کر رکھی ہے۔تاہم اگلے سال میں تقاریر کا سلسلہ شروع کر رہا ہوں۔کیونکہ تقاریر کا یہ سلسلہ رسوں کے اندر ہونے والے مقابلے سے کافی مختلف ہوگا۔وہاں لوگوں کے کان کھلے ہوئے ہونگے۔جب کہ آخر الذکر میں ان کی آنکھیں کھلی ہوتی تھیں۔ بلکہ مین کہتا ہوں کہ کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں۔ٹائمز،،(لندن) کے فیچر رپورٹر جون روڈا نے لکھا ہے، کہ محمد علی کا کہنا ہے کہ

انھوں نے باکسنگ کے پیشے سے اب تک ایک کروڑ پچپن لاکھ پونڈ کمائے

ہیں۔اوراس سال 1976ء کے آخر تک جب کہ ان کی عمر 34 برس کی ہو جائے گی۔ وہ چھبیس ملین ڈالر مزید جمع کرلیں گے۔ مجھے اپنے ذرائع آمدنی کے بارے میں کبھی تجسس یا تشکک پیدا نہیں ہوتا۔اور نہ مجھے کوئی پریشانی لاحق ہوتی ہے۔،،

بہر حال میں محسوس کرتا ہوں، کہ اب میں بوڑھا ہو رہا ہوں، اب مجھے صبح کے وقت بستر سے اٹھنے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ میں ہر صبح چھ میل دوڑتا رہا ہوں، مگر اب میں صرف دو میل دوڑتا ہوں۔ پہلے میں ناشتہ کرنے کے بعد جمنیزیم میں مشق کے لیے چلا جاتا تھا، مگر اب میں دوبارہ سو جاتا ہوں۔ مجھے اپنی خود نوشت سوانح حیات کو مرتب کرنے میں چھ سال کا عرصہ صرف کرنا پڑا ہے، یہ درست ہے کہ اپنی کتاب کی تدوین میں میں نے ایک ادیب رچرڈ درہام سے مدد لی ہے، کتاب کے مسودہ کو خریدنے کی تحریک آج سے چھ برس قبل نیویارک کے ایک ناشر رینڈوم ہاؤس نے کی تھی۔ یورپ میں اس کے حقوق اشاعت پانچ لاکھ ڈالر میں فروخت ہوئے۔ جب کہ صرف برطانیہ میں اس کے حقوق اشاعت ہارٹ ڈ یوس میگی بون نے تیس ہزار پونڈ میں خریدے ہیں۔

دسمبر 75 میں فرینکفرٹ کے کتاب میلہ میں اس کتاب کی اسی ہزار جلدیں فروخت ہوئی تھیں۔ اس کتاب کی ہارڈ کور میں قیمت تین پونڈ پچانوے پینی بنتی ہے۔

24 مئی 76ء کو محمد علی کا میونخ میں رچرڈ ڈون سے مقابلہ ہو رہا ہے، مقابلے کی شہرت اور تواتر ذکر سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک جرمن ناشر ڈروئم مرچے نے اس کے حقوق اشاعت جرمن ترجمہ کے لئے ایک لاکھ پونڈ میں خریدے۔ جرمن ناشر کو امید غالب ہے کہ وہ حقوق اشاعت پر صرف کی گئی اس رقم سے دوگنا کمائے گا۔ کیونکہ (انفرمیشن میڈیا) ذرائع ابلاغ کے توسط سے لوگوں تک ہر روز محمد علی کی کوئی نہ کوئی بات ضرور پہنچتی رہے گی۔ محمد علی نے بتایا، کہ یہ کتاب (ا) ان کی پوری زندگی

سے متعلق ہے۔ وہ قاہرہ جائیں گے۔ اور کتاب کے عربی ترجمہ کے بارے میں وہاں کے ناشر اداروں سے بات چیت بھی کریں گے۔ ممکن ہے وہاں کسی مجوزہ مقابلے کے انعقاد کے مسئلہ پر بھی اظہار خیال کا کوئی پہلو نکال لیا جائے۔ واضح رہے محمد علی کے دل میں سرزمین عرب پر کسی سے مقابلہ کی خواہش موجزن رہی ہے۔ ایک بار ان کی اسی خواہش کے پیش نظر امریکہ کے صف اول کے رسالہ، سپورٹس السٹریٹڈ نے ان کی ابوالہول کے مجسمہ اور فراعنہ مصر کے اہراموں کے نزدیک تصاویر اتارنے کا خصوصی انتظام کرایا تھا۔

کیونکہ تاریخ کا ہر بڑا شخص اور غیر معمولی طور پر اپنے عہد کی ہر مشہور شخصیت اہرام دیکھنے کی آرزو ضرور رکھتی ہے۔ وہ رائیٹ برادران ہوں یا نپولین بوناپاٹ۔ محمد علی کی شخصیت بھی تو کوئی چھوٹی نہیں۔

سفید فام اخباری رپورٹر مجھے ہمیشہ سیاہ فام مسلم لکھتے چلے آرہے ہیں۔ مجھے اس ترکیب لفظی اور انداز تخاطب پر بجا طور پر اعتراض ہے۔ کیونکہ اسلام رنگ و نسل کو مٹاتا ہے۔ اور اس کی تعلیم ہے، کہ کسی کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر برتری حاصل نہیں۔ اسلام صرف نیکی اور پرہیز گاری کی بنا پر ترجیح قائم کرتا ہے۔

ا۔ نوٹ: محمد علی کی اس کتاب کی تلخیص و ترجمہ دنیا کے اکثر اخباروں اور رسائل میں شائع ہو چکا ہے۔ ان پر آج تک بیس کے قریب کتب اور کتابچے شائع ہو چکے ہیں۔ بیشتر میں وہی تفصیل ہے۔ جو ان کی اپنی کتاب میں ہے، محمد علی اپنی لکھی ہوئی کتاب کو شاندار اس لئے کہتے ہیں۔ کیونکہ دوسرے مصنفوں کی لکھی گئی کتابوں میں ان کی کردار کشی کی مذموم کوششیں کی گئی ہیں۔ اور مذہب اسلام سے ان کی وابستگی کو محل نظر ٹھہرایا گیا ہے۔ جب کہ ان کی اپنی کتاب میں ان باتوں کی تردید اور صراحت موجود ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہم نے اپنی کتاب محمد علی،، پر اسرار چمپئین،، جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، وضاحت طلب امور اور محل نظر باتوں کو حواشی اور اضافی سطور کے ذریعے بیان کیا ہے یہ بات بھی بے حد قابل ذکر ہے محمد علی پر آج تک جتنی کتابیں اور کتابچے لکھے

گئے ہیں۔ ان سب کے مصنف، مرتب، مؤلف غیر مسلم ہیں۔ بالخصوص ایک غیر مسلم مصنف کا رویہ مسلمانوں اور ان کے شعائر دینیہ کے بارے میں بہت کم بے لاگ ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ بھی ایک خاص وجہ تھی، کہ محمد علی نے اپنی کتاب کو خود مرتب کرنے کی ضرورت محسوس کی ہے۔

WWW.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

خلیلہ علی

یہ خاتون کون ہیں

شکاگو کے بھی دنیا کے دوسرے شہروں کیطرح چار کونے اور چار سمتیں ہیں۔مگر اس کے شمال میں ایک قلعہ نما مکان کے باہر جو میل باکس آویزاں ہے،اس پر صرف ایک ہی نام جلی حروف میں لکھا ہے۔

''خلیلہ علی''

یہ مکان آٹھ منزلوں پر مشتمل ہے۔اور ہر منزل میں چار، چار کمرے ہیں۔مگر اس مکان کی مالکہ کا پیدائشی نام بلینڈ ابائڈ تھا۔مگر اب وہ خلیلہ علی کے نام سے پکاری جاتی ہیں۔وہ اس مکان میں اپنے چار بچوں کے ساتھ مقیم ہیں۔اور وہ دنیا کے مشہور عالمی باکسنگ چمپئین محمد علی کی بیوی ہیں جنہوں نے پچھلے دنوں اسلام قبول کرلیا ہے۔

اب میری دل چسپی صرف مذہب اسلام سے ہے، سچ پوچھئے تو مجھے اب باکسنگ سے کوئی دل چسپی نہیں ہے۔اور نہ مجھے اپنے شوہر کے عالمی باکسنگ کے معرکوں یا مقابلوں سے ہے، مین نے جب سے اسلام قبول کیا ہے۔میری روح کو قرار میرے دل کو سکون ہوگیا ہے۔یہ مذہب اسلام کا معجزہ ہے۔اور میں اس معجزہ پر یقین رکھتی ہوں،،۔

اسی مکان سے کچھ آگے نکلیں تو وہاں ایک اور میل باکس لٹکتا ہوا نظر آتا ہے، جس پر ایک نام لکھا ہوا نظر آتا ہے۔

محمد علی،،

یہ نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔

محمد علی نے خلیلہ پر کوئی پابندی نہیں لگا رکھی ہے۔وہ گھر کے معاملہ میں آزاد ہیں۔اور اپنی مرضی سے گھریلو کا نظام چلاتی ہیں،۔

بلینڈا بائڈ کا اصلی نام خلیلہ علی ہے۔ وہ پر وقار شخصیت کی مالک ہیں۔ انہیں امریکی مسلم معاشرہ میں ایک با اثر خاتون سمجھا جا رہا ہے۔ ان کا قد پانچ فٹ ساڑھے دس انچ ہے۔ انہوں نے جب سے اسلام قبول کیا ہے۔ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے کام شروع کر دیا ہے۔ وہ آج کل امریکہ سے ایک مسلم اخبار جس کا پہلا نام ارشاد محمدؐ، تھا، موجودہ نام بلالین،، جو صحابی رسولؐ حضرت بلال حبشیؓ کی نسبت پر ہے۔ میں پریس فوٹو گرافر اور پبلسٹی ایجنٹ کے طور پر، لازمت کر رکھی ہے، ، بلالین،، مسلمانوں کا نمائندہ اخبار ہے۔ اس اخبار میں خلیلہ علی کے مصور فیچر اور رپورٹ شائع ہوتے ہیں۔ اس اکبار کے ایک حالیہ شمارے میں خیلیہ علی کا لکھا اور کھینچا گیا تصویری فیچر ،، مسلمان مائیں،، کے عنوان سے چھپا ہے۔ محترمہ خلیلہ علی کا کہنا ہے،، اس فیچر نے انہیں اچھا خاصا جرنلسٹ بنا کر رکھ دیا ہے۔

خلیلہ کی نجی زندگی بڑی پرسکون ہے، وہ بی تکلم جرائد اور رسائل کو انٹرویو دیتی ہے۔ اور نہ وہ اپنے شوہر محمد علی کے بارے میں کچھ کہنا چاہتی ہے۔ ان کا کہنا ہے۔

کہ مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میں اپنی متائل زندگی پر خواہ مخواہ اخباری رپورٹروں سے بات چیت کرتی پھروں۔ اور مجھے ایسی باتوں سے کوئی دل چسپی نہیں ہے۔

فروری 76ء کے آخری ہفتہ میں انہوں نے ایک امریکی اخبار نویس لو کی لنڈ امٹ کو انٹرویو اس غرض سے دیا تھا۔ کیونکہ منیلا میں علی فریزر، ، مقابلہ کے دوران وہ بھی منیلا گئی تھی۔ جن کے بارے میں دنیا بھر کے لوگوں کو بڑی جستجو رہی کہ اصل واقعات کیا تھے۔

یہ درست ہے کہ منیلا کے جس ہوٹل میں محمد علی ٹھہرے ہوئے تھے، میں بھی نیو یارک سے وہاں پہنچ گئی۔ مگر مجھے یہ یاد نہیں کہ کیا بات ہوئی تھی، بس میں اور وہ چھوٹ پڑے تھے۔ علی اپنی افتاد طبع کی وجہ سے اونچی آواز میں برسنے لگے۔ میں نے ان کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں جھانکا۔ ان میں شعلے لپک رہے تھے۔ اور یہ

ویسی آگ تھی جو میں نے ایک بار شادی سے پہلے ان کی آنکھوں میں جلتی دیکھی تھی۔ وہ طبعاً سیماب صفت آدمی ہیں۔ مین یہ بھی جانتی تھی، جیسا کہ میں نے شادی سے پہلے سوچا تھا۔ کہ محمد علی اور میرے درمیان اس قسم کی عائلی نوک جھونک ہوتی رہے گی۔ اور جس وقت یہ سب کچھ رونما ہوا۔ اور ج سعورت کی وجہ سے ہوا محمد علی اس کی طرف داری پر آمادہ نظر آرہے تھے۔ اس عورت کا نام ویرونیکہ پورشے ہے۔

محمد علی ان سے ستمبر 74ء میں سالٹ لیک سٹی کی ایر پورٹ پر ملے تھے۔ تن علی نے اسیزائرے میں جارج فورمین کے ساتھ ہونے والے مقابلہ کو دیکھنے کی دعوت دی تھی، در ینکہ اس دعوت پر زائرے چلی آئی تھی۔ بلینڈا (خلیلہ) کو پہلے پہل یہ ہی اطلاع ملی کہ وہ کسی اور کے ساتھ زائرے گئی ہے۔ ازاں بعد یہی بات بلینڈا کو علی کے ایک دوست کی زبانی بھی معلوم ہوئی تھی، بلینڈا خود بھی زائرے گئی تھی، مگر جب انہیں معلوم ہوا کہ جارج فورمین کے ساتھ محمد علی کا سخت خون آشام مقابلہ ہوگا۔ تب انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ مقابلہ دیکھے بغیر امریکہ واپس چلی جائیں گی۔ مگر محمد علی کے ساتھ زائرے جانے والی جماعت نے بلینڈا کو زائرے میں رک جانے کا مشورہ دیا، جو انہوں نے قبول کرلیا تھا۔

چونکہ منیلا میں میری فوری آمد کے بعد روانگی کو لوگوں نے غلط رنگ دیا۔۔ اخباروں نے صفحہ اول پر علی اور در ینکہ کے تعلقات کو ہوا دے کر میرے خیالات کو دھچکا پہنچایا تھا۔ میں اب بھی محمد علی سے کہتی ہوں، کہ اگر وہ در ینکہ سے شادی کرنا چاہتے ہیں، تو میری رضامندی انہیں حاصل ہے، کیونکہ اسلام تو ایک مومن مرد کو چار شادیوں کی اجازت دیتا ہے، تاہم محمد علی نے اس بارے میں مجھ سے کوئی بات نہیں کی اور نہ ہی انہوں نے کچھ چھپایا۔ تاہم یہ ضرور ہے کہ ہر مقابلہ میں در ینکہ کی موجودگی اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ در ینکہ محمد علی کی رشتہ دار ہے، اور وہ میری عدم موجودگی میں بچوں کی دیکھ بھال بھی کرتی ہے۔ بعض اوقات در ینکہ علی کے نام سے

اس کا تعارف بھی کرایا جاتا ہے۔

پچھلے دنوں بعض اخباروں میں میری طلاق کے بارے میں بھی لکھا گیا تھا، لیکن مجھے اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا، ہلنڈ اوئٹ کا کہنا ہے۔ کہ جب وہ یہ بات کہہ رہی تھیں تو ان کا لہجہ خاصا پر اعتماد تھا۔ اور ان کے بشرے سے سکون ہویدا تھا۔ انھوں نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

مجھے دنیا کی کوئی چیز پریشان نہیں کر سکتی۔ اور نہ کرے گی۔ میں تم سے بھی یہ بات کہتی ہوں اور باقیوں سے بھی کہوں گی،،

خلیلہ (بلینڈا) کی شادی 1967ء میں محمد علی کے ساتھ ان (خلیلہ) کے مسلمان والدین کی رضامندی سے ہوئی تھی۔ شادی کی تقریب نہایت سادہ طریقہ سے انجام پائی تھی۔ کسی کروفر کا اہتمام نہیں کیا گیا تھا۔ شادی کے وقت ان کی عمر سترہ برس تھی۔

،، مجھے یاد ہے، انہوں (محمد علی) ن مجھے اس وقت دیکھا تھا، جب میں یو نیورسٹی کی طالبہ تھی، اور میں یونیورسٹی آف اسلام میں زیر تعلیم تھی۔ اس سے اگلے سال وہ میرے والدین سے ملنے ہمارے گھر آئے تھے۔ انہوں نے نہ صرف میرے بارے میں بلکہ میرے والدین سے خاندان کے بارے میں متعدد سوالات بھی پوچھے تھے۔ ہم شادی سے پہلے ایک دوسرے کو نہیں جانتے تھے، اور نہ ہم شادی سے پہلے کبھی ایک دوسرے سے ملنے کے لیے تنہا باہر گئے تھے۔ ان کی آمد کا مقصد بظاہر کھانے کی دعوت میں شرکت ظاہر کرنا تھا۔ مگر مجھے نہیں پتا کہ وہ مجھ سے شادی کرنے کے خواہاں تھے۔ میں نے جب انہیں دیکھا کہ وہ ایک لمبے تڑنگے خوش شکل نوجوان نظر آ رہے تھے، اور میں اسلامی طریقے کے مطابق ان کے ساتھ شادی کرنے میں واضع طور پر،، ہاں یا، نا،، نہیں کرنا چاہتی تھی تب انہون نے میرے قریب آ کر کہا، تم میری زندگی کی شریک سفر بن رہی ہو،، اس کے بعد نکاح کی رسم ادا کر

دی گئی۔ بلینڈا اور علی کی شادی کی تقریب بلینڈا کے والدین کے گھر ہوئی، رسوم کی ادائیگی ایک پادری نے انجام دی تھیں (لنڈاوئٹ کا کہنا ہے۔اس وقت نومسلم سابقہ طریق مذہب کے مطابق ہی نکاح کی رسوم ادا کیا کرتے تھے، کیونکہ انہیں اسلامی نکاح کے طریقوں سے آگاہی نہ تھی)

،،خلیلہ کہتی ہیں، کہ محمد علی کے ساتھ شادی کا خیال آتے ہی مجھے اپنے گھوڑوں کا خیال آیا، کہ میں اب گھوڑا سواری کا ذوق پورا نہ کرسکوں گی۔ اور میں اپنے قد و قامت کے لحاظ سے لڑکوں جیسی لڑکی تھی۔

یہی وجہ ہے کہ خلیلہ کے نجی استعمال کے کمرے میں گھڑسواری کے سامان، اور گھوڑوں کی مختلف اعلیٰ نسلوں کے بارے میں کتابیں نظر آتی ہیں۔ جب کہ اتھلیٹکس میں جیتی ہوئی دوڑ افیاں بھی کارنس پر پڑی ہیں۔محمد علی خلیلہ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔اور وہ پرسکون گھریلو زندگی گزارتے ہیں۔

میں چار بچوں کی ماں ہوں، مریم، جمیلہ، رشیدہ اور ابن علی جس کو بعض اخبارات محمد علی جونیئر بھی لکھتے ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی ہوں کہ وہ مجھے اولاد کی مزید نعمت سے سرفراز فرمائے۔علی نے مجھے ہر راحت مہیا کر رکھی ہے۔ میں ان کی شکرگزار ہوں، وہ ایک نرم دل شوہر ہیں۔انہوں نے مجھے دنیا کی سب سے قیمتی کار رولز رائیس خرید کر دے رکھی ہے، اگر چہ ان کے پاس بھی رولز رائیس موجود ہے۔

خلیلہ کا کہنا ہے کہ وہ ہر صبح محمد علی کو ناشتہ میں دلیا پکا کر دیتی ہے۔

میں گھر کا کام خود کرتی ہوں۔ اگر چہ گھریلو ملازم رکھنے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔مگر میں کہتی ہوں کہ جب ایک لڑکی جوان ہوتی ہے تو اسے گھر کا کام بھی سیکھنا چاہیئے۔کھانا، پکانا، سینا، پرونا اور بچوں کی دیکھ بھال خود کرنی چاہیئے۔ کیونکہ زندگی پانے والی ہر شے آگے بڑھتی ہے۔تو یہ کام ہی ہے جو زندگی سے محبت کرنا

سکھاتا ہے۔

خلیلہ محمد علی جریدہ،، بلالین میں کام کرنے کا کوئی معاوضہ نہیں لیتی ،وہ اس کے لئے روزانہ چھ گھنٹے کام کرتی ہیں۔ انہیں فوٹوگرافی سے بڑی دل چسپی ہے۔ وہ شکاگو میں ہونے والی تقریبات کے علاوہ دوسرے شہروں میں منعقد مسلم خواتین کی تقریبات کے علاوہ دوسرے شہروں میں منعقد مسلم خواتین کے ملبوسات کی ایک نمائش کی فوٹوگرافک رپورٹنگ کے لیے لاس اینجلز بھی گئی تھیں۔

انہیں اپنے کام سے گہرا لگاؤ ہے۔ انہیں یقین ہے کہ وہ اسے کامیابی سے سر انجام دیتی رہیں گی۔ اور ان کا کام یہ بات ظاہر کرے گا کہ مسلمانوں کو بھی خواتین کی ترقی سے گہری وابستگی ہے۔ اس طریقہ سے انہیں وہ آزادی حاصل ہو جائے گی، جس کی وہ آرزومند ہیں۔ لیکن میری مراد بننے سنورنے کی آزادی سے نہیں۔

وہ کراٹے کی ماہر ہیں۔ اور اس فن شریف میں بلیک بیلٹ رکھنے کا اعزاز بھی حاصل کر چکی ہیں۔ مگر عجیب بات ہے کہ وہ باکسنگ کو خوف ودہشت کا کھیل سمجھتی ہیں۔

انھوں نے بلجیم کے جین کوپ مین کا اپنے شوہر سے مقابلہ کوئی، وی پر بھی دیکھنا پسند نہیں کیا تھا۔

باکسنگ ایک ظالمانہ کھیل ہے۔ دونوں افراد ایک دوسرے سے بے تحاشا لڑتے ہیں۔ حیرت ہے کہ اسے تفریح کا نام دیا جاتا ہے۔ کیا آپ یقین کریں گی کہ کوئی آدمی آپ کے خون کا پیاسا بن جائے۔ خلیلہ جب لنڈ اوٹ سے یہ کہہ رہی تھیں۔ ان کا لہجہ گلوگیر ہو گیا تھا۔

The End۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ختم شد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔